خالص مادی ترقی سے عالم انسانیت کی دینی و اُخروی کیا دنیاوی و مادی فلاح بھی نہیں ہوسکتی، چنانچہ آج جب کہ دنیا مادی ترقی کی معراج کمال تک پہنچ گئی ہے، انسانی امراض کا مداوی نہ کرسکی، اور انسان آج جس قدر غیر مطمئن اور مضطرب و بےچین ہے، شاید تاریخ کے کسی دور میں بھی اتنا غیر مطمئن نہیں رہا، ساری دنیا سیاسی و معاشی کشمکش کی رزمگاہ بنی ہوئی ہے، ایک قوم دوسری قوم کی ہلاکت و بربادی کے درپے ہے، اور دنیا سے امن و سکون کا خاتمہ ہوگیا ہے، جو نتیجہ ہے ترقی کے مادی نقطۂ نظر کا، اس لئے مذکورۂ بالا کتاب میں اسلامی نقطۂ نظر سے اس صحیح و صالح ترقی کے اصول و شرائط اور طرق و وسائل بتلائے گئے ہیں جو دین و دنیا دونوں میں انسانوں کی فلاح و سعادت کی ضامن ہو۔

غالب کی باتیں:- از جناب شمس مین گرامی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۱۰ صفحات کاغذ، کتابت و طباعت معمولی، قیمت:- ۱۲؍، پتہ:- ساحل بک ڈپو کشن گنج بازار پورنیہ،

ہونہار مصنف نے اس کتاب میں مختلف عنوانوں کے ماتحت غالب کی شاعری اُن کے فلسفہ اور متفرق خیالات پر تبصرہ کیا ہے، اس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں ذہانت و طباعی بھی ہے، وہ شعر و ادب کا بھی اچھا مذاق رکھتے ہیں، قلم میں بھی صلاحیت ہے، اور غالب کے کلام کا انھوں نے مطالعہ بھی کیا ہے، اس لئے اپنی مشق و عمر کے لحاظ سے انھوں نے اچھی کتاب لکھی ہے، مگر ابھی ان کے خیالات اور قلم میں اعتدال و توازن نہیں، اور تحریر میں لفاظی اور مبالغہ آرائی زیادہ ہے، اگر سلامت روی کے ساتھ اس کی مشق و مہارت جاری رہی تو یقین ہے کہ وہ موجودہ نوجوان لکھنے والوں میں امتیازی درجہ حاصل کریں گے،

"م"

جلد ۷۲ ماہ محرم الحرام و صفر المظفر سنہ ۱۳۷۳ھ مطابق ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۵۳ء عدد ۴

مضامین

مقالات

آثار علمیہ و ادبیہ

ادبیات

شذرات

دار المصنفین کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ اس کی کتابوں کی تجارت ہے اور بڑی حد تک اسی پر اس کے مصارف کا دار و مدار ہے چنانچہ ریاست حیدرآباد اور بھوپال کی معمولی امدادوں کے علاوہ آج تک اس نے نہ کبھی عام چندہ کیا اور نہ حکومت سے کسی قسم کی امداد حاصل کی، انگریزوں کے زمانہ میں بعض ایسے موقعے بھی آئے، جب خود حکومت کی جانب سے امداد کی پیشکش کی گئی، مگر دار المصنفین نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور اس کے کارکن محض بقدر کفاف گذارہ پر قناعت کر کے علمی خدمت میں مصروف رہے مگر ادھر چند سال سے ہندوستان کی تقسیم اور ملک کے عام معاشی حالات کے اثر، ہندوستان و پاکستان کے سکہ کے اختلاف اُن کے تبادلہ کی دقتوں خصوصاً پاکستان کی عائد کردہ تجارتی پابندیوں کی وجہ سے پاکستان کی تجارت جو دار المصنفین کی آمدنی کا بڑا ذریعہ تھی، تقریباً ختم ہو گئی ہے، ہندوستان کی تجارت بھی بہت گھٹ گئی، ریاستوں سے جو تھوڑی بہت مدد ملتی تھی، وہ بھی قریب قریب بند ہو گئی ہے، ان حالات میں دار المصنفین کا چلانا سخت دشوار تھا، پھر بھی کارکنانِ دار المصنفین آیندہ کی امید پر کئی سال تک کسی نہ کسی طرح کام چلاتے رہے، مگر اب اسکی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی اس لئے مجبور ہو کر آخر میں حکومت ہند کی جانب رجوع کرنا پڑا، اور مولانا مسعود علی صاحب نے دہلی جا کر مولانا ابو الکلام اور پنڈت جواہر لال نہرو سے صورت حال بیان کی،

ان دونوں کا تعلق دار المصنفین سے بہت قدیم ہے، مولانا ابو الکلام کا تو وہ گویا اپنا ادارہ ہے، ان کے تعلقات کی نوعیت ان کے ان خطوط سے ظاہر ہو گی، جو اسی پرچہ میں شائع کئے جا رہے ہیں، پنڈت جواہر لال کا تعلق دار المصنفین سے موروثی ہے، خلافت اور نان کو اپریشن کی تحریک کے زمانہ میں اور اس کے بعد بھی ایک عرصہ تک دار المصنفین ہندوستان کی جنگِ آزادی

کا ایک اہم مورچہ رہ چکا ہے، اس کے کام پوری صوبے کے لئے نمونہ تھے، اور اس زمانہ کے جو لیڈر بھی اعظم گڈہ آتے تھے وہ دار المصنفین ہی میں ٹھہرتے تھے، پنڈت موتی لال نہرو کا تو وہ مستقل قیام گاہ تھا، وہ اپنی زندگی بھر مشرقی اضلاع کی تمام سیاسی مہین دار المصنفین ہی کو مرکز قرار دیکر انجام دیتے تھے، پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی اس وضعداری کو قائم رکھا ہے، اُن کا جب بھی اعظم گڈہ آنا ہوتا ہے تو وہ دار المصنفین ہی میں ٹھہرتے ہیں اس لئے اس کے موجودہ نازک حالات سنکر ان دونوں نے اپنے تعلقات کا پورا حق ادا کر دیا، مولانا ابو الکلام نے اپنے شعبہ سے فی الحال ایک سال کے لئے ساٹھ ہزار کی گرانقدر امداد منظور فرمائی اور پنڈت جواہر لال نہرو نے اس کی پوری تائید کی اور پنڈت جی نے اپنی جیب خاص سے ایک ہزار روپیہ عطا کر کے اسکی لائف ممبری قبول کی جو دار المصنفین کے لئے طغرائے امتیاز ہے،

حکومتِ ہند کی یہ امداد اسکی علم دوستی اور وسعتِ قلب کا بہت بڑا ثبوت ہے، اس امداد نے دار المصنفین ایک بڑے خطرہ سے بچا لیا، جس کیلئے نہ صرف ارکان دار المصنفین بلکہ ہندوستان کے تمام مسلمان حکومت ہند، خصوصاً مولانا ابو الکلام آزاد، پنڈت جواہر لال نہرو کے شکر گذار ہیں، بلکہ ہر علم دوست کو ان کا شکر گذار ہونا چاہئے، اس موقع پر رفیع احمد صاحب قدوائی کا شکریہ بھی ادا کرنا ضروری ہے، وہ خود دار المصنفین کے لائف ممبر ہیں اور اس کیلئے کوشش بھی کر رہے ہیں اور یقین ہے کہ ان کے ذریعہ معقول مدد ملجائیگی،

حکومتِ ہند کی اس علم دوستی نے عملاً ثابت کر دیا کہ ہندوستان میں اسلامی اداروں کی بھی گنجائش ہے، ہمارے صوبہ کی حکومت کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہئے جس کے یہاں اسلامی ادارہ کا کیا ذکر، اردو، بلکہ ہندوستانی اداروں کا بھی گذر نہیں ہے، دار المصنفین ایک ایسا ادارہ ہے جس کی شہرت ہندوستان کے باہر تک ہے، اس لئے حکومت نے اس کی مدد کر کے پوری دنیائے اسلام میں نیکنامی حاصل کی ہے، ہندوستان کے مسلمانوں پر اس کا جو اثر پڑا ہے اس کا اندازہ ان کے اخبارات سے ہو سکتا ہے، اس لئے دار المصنفین کو بعض دیگر حکومت نے خود اپنی مدد بھی کی ہے، کیا پاکستان کی اسلامی حکومت اس واقعہ سے کچھ سبق حاصل کر سکتی ہے کہ اس کے قوانین سے ایک اسلامی ادارہ کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی ایک غیر مذہبی حکومت نے کی،

اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ نازک حالات میں یہ بہت بڑی مدد ہے، اور اس نے دار المصنفین کو فوری خطرہ سے بچالیا، لیکن وہ اس کے مشکلات کا مستقل حل نہیں ہے، دار المصنفین کا سالانہ خرچ ایک لاکھ کے قریب ہے، اس لئے یہ امدادی رقم اس کی موجودہ آمدنی ملا کر صرف ایک سال کے مصارف کے لئے کافی ہو سکتی ہے اور جب تک اس کی آمدنی کا اصل ذریعہ یعنی اس کی تجارت ہندوستان اور خاص طور سے پاکستان میں اپنی اصلی حالت پر نہ آجائیگی، اس وقت تک اسکی مشکلات دور نہیں ہو سکتیں، ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ وہ ہندوستان میں اسلامی تہذیب تمدن کے زوال کا زبانی شور و غل تو بہت مچاتے ہیں، مگر اس کے تحفظ کے اصلی ذرائع استعمال نہیں کرتے، ورنہ ہندوستان میں اب بھی اُن کی اتنی بڑی تعداد ہے، اور وہ اس حالت میں بھی ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو اسلامی علوم و فنون اور اسلامی تہذیب تمدن کے اداروں کو کسی دوسری کی مدد کے بغیر اپنے بل بوتے پر زندہ رکھ سکتے ہیں اور انکو پاکستان کے مسلمانوں کی احتیاج ہی باقی نہ رہے، مگر ان میں اس کا احساس کہاں!

پاکستان کے مسلمانوں سے ان اداروں کا تعلق محض علمی و تجارتی رہ گیا ہے مگر اس ذریعہ سے اُن کو پاکستان سے جو فوائد پہنچتے تھے اُن کو حکومت پاکستان کی تجارتی پابندیوں نے ختم کر دیا اس کو اپنا تجارتی توازن قائم رکھنے کیلئے اپنی درآمد برآمد پر پابندی لگانیکا پورا حق ہے لیکن کتابیں ایسی چیز ہی نہیں جنکی آزاد تجارت سے پاکستان کے تجارتی توازن کے بگڑنے کا اندیشہ ہو زیادہ سے زیادہ دو چار لاکھ کی کتابیں ہندوستان سے پاکستان جاتی ہونگی مگر اسی قدر وہاں سے آتی بھی ہونگی، اور اگر یہ تناسب نہ بھی ہو تو دو چار لاکھ کی رقم ایسی نہیں ہے جس سے کسی حکومت کے تجارتی توازن پر اثر پڑ سکے، مگر اسکی بندش سے ہندوستان کے اسلامی و علمی اداروں کی جان پر بن جاتی ہے، کتابوں کی تجارت پر پابندی لگانا علم دوستی کے بھی خلاف ہے اسلئے اگر حکومت پاکستان ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کتابوں کی تجارت کو ان پابندیوں سے مستثنیٰ کر دے یا کم از کم اس کے پرمٹ دینے میں سہولت اور فیاضی سے کام لے تو اس کے تجارتی توازن پر کوئی اثر نہ پڑے گا، اسکی علم دوستی کا بھی ثبوت ہوگا، اور اس سے ہندوستان کے بہت سے اسلامی اداروں کی زندگی کی بھی صورت پیدا ہو جائیگی، اور اگر پاکستان ان کی بقا کے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتا، تو اس سے اور کیا توقع کی جا سکتی ہے؟

مقالات

عہدِ نبوی میں قرآن مجید کی تدوین و ترتیب

از

جناب مولانا سید بدر الدین صاحب علوی استاذ شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی

(۲)

عہدِ نبوی کی ترتیب سے موجودہ قرآن کی ترتیب کی مطابقت کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ اکابر علمائے اسلام جو مختلف قوموں فرقوں اور زمانوں میں گزرے ہیں شروع سے آخر تک اس بات کے قائل رہے ہیں کہ قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جمع ہو چکا تھا، اور اس کی آیتیں اور سورتیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتب فرمائی تھیں، اور پھر اسی ترتیب کے ساتھ وہی مجموعہ بذریعہ تواتر مسلمانوں میں برابر چلا آرہا ہے، ان میں سے بعض علماء کی رائیں پیش کی جاتی ہیں،

۱- امام مالک (متوفی ۱۷۹ھ) جو قدیم ترین علماء میں ہیں، اتقان میں منقول ہے:-

عن ابی وھب سمعت مالکًا یقول	یعنی قرآن کی تالیف اسی طریقہ پر ہوئی ہے
انما الّف القرآن علیٰ ما کانوا یسمعونہ من	جس طریقہ پر صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ
النبی صلی اللہ علیہ وسلم (اتقان ص [illegible])	علیہ وسلم سے سنا،

۲- امام بغوی (متوفی ۵۱۶ھ) کا یہ قول بھی اتقان میں ہے،

قال البغوی فی شرح السنۃ	یعنی امام بغوی نے اپنی کتاب شرح السنۃ

الصحابة جمعوا بین الدفتین القرآن الذی انزله الله علی رسوله فکتبوه کما سمعوه من رسول الله صلی الله علیه وسلم من غیر ان قدموا شیئا او اخروا او وضعوا له ترتیبا لم یاخذوه من رسول الله وکان رسول الله صلی الله علیه وسلم یلقن اصحابه ویعلمهم ما نزل علیه من القرآن علی الترتیب الذی هو الآن فی مصاحفنا بتوقیف جبریل ایاه علی ذلک واعلامه عند نزول کل آیة ان هذه الآیة تکتب عقب آیة کذا فی سورة کذا،

میں لکھا ہے کہ صحابہ نے دو دفتیوں کے اندر اسی قرآن کو لکھا جس کو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا، جیسا انھوں نے سنا ویسا ہی لکھ لیا، اس میں کسی چیز کو آگے رکھا، اور نہ کسی چیز کو پیچھے کیا، نہ کوئی ایسی ترتیب دی کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل نہ کیا ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو قرآن اسی ترتیب پر تلقین کر دیتے تھے جو اس وقت ہمارے نسخوں میں ہے، اور یہ اس طور پر تھا کہ جبرئیل بوقت نزول آپ کو بتلا دیتے تھے کہ یہ آیت فلاں آیت کے بعد فلاں سورہ میں لکھی جائے

(اتقان ص ۱۴۴، ۱۴۵)

۳- ابن الحصار فرماتے ہیں:-

ترتیب السور ووضع الآیات مواضعها انما کان بالوحی وکان رسول الله یقول ضعوا آیة کذا فی موضع کذا فقد حصل الیقین من النقل المتواتر بهذا الترتیب

یعنی ابن الحصار کہتے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب اور آیتوں کی جگہیں وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوئی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیا کرتے تھے کہ فلاں آیت فلاں جگہ پر رکھو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت

من تلاوة رسول الله صلی الله علیه وسلم ومما اجمع الصحابة علی وضعه،

اور صحابہ کے اجماع سے جو بنقل متواتر ہے یہ بات بالکل یقینی ہے،

(اتقان ص ۱۴۵)

۴- ابوبکر ابن الانباری (متوفی ۳۲۸ھ) کا بیان ہے:-

انزل الله القرآن کله الی سماء الدنیا ثم فرقه فی بضع وعشرین سنة فکانت السورة تنزل لامر یحدث والآیة جوابا لمستخبر فیوقف جبریل النبی علی موضع الآیة والسورة فاتساق السور کاتساق الآیات والحروف کله عن النبی صلی الله علیه وسلم فمن قدم سورة او اخرها فقد افسد نظم القرآن،

یعنی ابوبکر ابن الانباری کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے قرآن سارے کا سارا سماء دنیا پر نازل فرمایا، پھر بیس سال سے کچھ زیادہ میں اس کو بانٹ دیا، چنانچہ سورۃ کسی پیش آمدہ واقعہ کے لئے اور آیت سائل کے سوال کے جواب میں اترتی تھی، تو جبرئیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آیت اور سورۃ کی جگہ بتلا دیتے تھے، اس لئے سورتوں کی ترتیب بھی مثل آیتوں کی ترتیب کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرتب کردہ ہے، اور اگر کوئی شخص کسی سورۃ کو مقدم یا مؤخر کرے گا، تو وہ نظم قرآنی کو بگاڑ دے گا،

(اتقان ص ۱۴۵، ۱۴۶)

۵- برہان الدین ابوالقاسم محمود بن حمزہ ابن نصر الکرمانی المقری الشافعی (صاحب کتاب البرہان فی توجیہ متشابہ القرآن (متوفی بعد ۵۰۰ھ کذا فی الکشف) فرماتے ہیں،

ترتیب السور هکذا هو عند الله

یعنی کرمانی نے اپنی کتاب برہان میں لکھا ہے

فی اللوح المحفوظ علی ھذا الترتیب وعلیه کان النبی یعرض علی جبریل کل سنة ما کان یجتمع عنده فیه وعرضه علیه فی السنة التی توفی فیها مرتین۔

(اتقان ص ۱۴۶)

کہ سورتوں کی ترتیب اسی طرح اللہ تعالیٰ کے یہاں لوح محفوظ میں ہے اور اسی ترتیب کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال جبرئیل سے جمع شدہ قرآن کا دورہ کرتے تھے، جو آپ پر اس وقت تک نازل ہو چکا ہوتا تھا، سالِ وفات میں دو بار حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ دورہ ہوا،

۶۔ طیبی (متوفی ۹۸۱ھ) فرماتے ہیں کہ

قال الطیبی انزل القرآن اولاً جملةً واحدةً من اللوح المحفوظ الی السماء الدنیا ثم نزل علی حسب المصالح ثم اثبت فی المصاحف علی التالیف والنظم المثبت فی اللوح المحفوظ، (اتقان ص ۱۴۶)

یعنی طیبی کہتے ہیں کہ قرآن پہلے مجموعی طور پر لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا، پھر ضرورت کے مطابق نازل ہوتا رہا، پھر اسی ترتیب کے مطابق جو لوح محفوظ میں ہے، مصاحف میں لکھا گیا،

۷۔ احمد بن ابراہیم بن الزبیر الغرناطی (متوفی [illegible]ھ) فرماتے ہیں کہ

قال ابو جعفر ابن الزبیر الآثار تشهد لذلك کقوله اقرؤا الزهراوین البقرة وآل عمران رواه مسلم ولحدیث سعید ابن

یعنی ابو جعفر ابن زبیر کہتے ہیں کہ بہت سی حدیثیں ترتیب کی شہادت دیتی ہیں، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو چمکتی ہوئی سورتیں البقرہ، اور آل عمران پڑھا کرو،

خالد صلی رسول الله بالسبع الطوال فی رکعة رواه ابن ابی شیبة فی مصنفه وفیه انه کان یجمع المفصل فی رکعة وروی البخاری عن ابن مسعود انه قال فی بنی اسرائیل والکهف ومریم وطه والانبیاء انهن من العتاق الاول وهن من تلادی وذکرها نسقاً کما استقر ترتیبها وفی البخاری انه علیه السلام کان اذا اوی الی فراشه کل لیلة جمع کفیه ثم نفث فیهما یقرأ قل هو الله احد والمعوذتین

(اتقان ۱۴۷)

اس کو مسلم نے روایت کیا، اسی طرح سعید ابن خالد کی یہ حدیث کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات بڑی بڑی سورتیں ایک رکعت میں پڑھیں، اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے، اسی کتاب میں ایک اور بھی حدیث ہے کہ آنحضرتؐ مفصل سورتوں کو ایک ہی رکعت میں پڑھ ڈالتے تھے، بخاری نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل اور کہف، اور مریم اور طٰہٰ اور انبیاء یہ سب کی سب اعلیٰ درجے کی سورتیں ہیں، اور یہ میرا مال موروثی ہیں، اس طرح ان سورتوں کا ذکر اسی ترتیب سے فرمایا، جس ترتیب کے ساتھ آج وہ ہیں، بخاری میں یہ بھی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو جب اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تھے تو اپنی ہتھیلیوں کو ملا کر قل ہو اللہ، اور معوذتین پڑھ کر پھونکتے تھے،

۸۔ ابو جعفر النحاس (متوفی ۳۳۸ھ) یوں فرماتے ہیں:-

قال ابوجعفر النحاس المختار ان
تالیف السور علی ھذا الترتیب من
رسول اللہ لحدیث واثلۃ اعطیت
مکان التوراۃ السبع الطوال الحدیث
قال فھذا الحدیث یدل علی ان
تالیف القرآن ماخوذ عن النبی
صلی اللہ علیہ وسلم انہ من ذلک
الوقت، وانما جمع فی المصحف
علی شئ واحد لانہ قد جاء
ھذا الحدیث بلفظ رسول اللہ
علی تالیف القرآن قال ومما یدل
علی ان ترتیبھا توقیفی ما اخرجہ
احمد وابوداؤد عن اوس ابن
اوس حذیفۃ الثقفی قال کنت فی
الوفد الذین اسلموا من ثقیف الخ
قال فھذا یدل علی ان ترتیب
السور علی ما ھو فی المصحف
الآن کان علی عھد رسول اللہ
قلت ومما یدل علی انہ توقیفی

یعنی ابوجعفر نحاس کہتے ہیں کہ صحیح بات یہی ہے
کہ سورتوں کی یہی ترتیب رسول اللہؐ کی دی
ہوئی ہے، جیسا کہ حدیث واثلہ سے معلوم
ہوتا ہے، (یہ حدیث پہلے ذکر کی جاچکی ہے)
یہ حدیث صاف بتلاتی ہے کہ قرآن کی ترتیب
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوئی
تھی، اور وہ اسی وقت کی ہے، اور اس وقت
کا قرآن اوسی ترتیب پر ہے، اس لئے کہ
یہ حدیث ترتیب قرآن کے متعلق خود آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں ہے، ابوجعفر
یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن کی ترتیب توقیفی ہونے
پر اوس ابن ابی اوس کی روایت بھی دلالت
کرتی ہے، (یہ روایت بھی اوپر گذر چکی ہے)
علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک سورتوں
کی ترتیب توقیفی ہونے پر ایک دلیل یہ بھی
ہے کہ حم سے شروع ہونے والی سورتیں
مرتب لائی گئی ہیں، اور اسی طرح سے
طس والی بھی لیکن یسبح یا سبح سے شروع
ہونے والی سورتیں ترتیب وار نہیں ہیں،

کون الحوامیم رتبت ولاء
وکذا الطواسین ولم یرتب مسبحات
ولاء بل فصل بین سورھا وفصل
بین طسم الشعراء وطسم القصص
بطس مع انھا اقصر منھما ولو کان
الترتیب اجتھادیا لذکرت المسبحات
ولاء واُخرت طس عن القصص (بحوالہ اتقان ص ۶۴، ص ۶۵)

بلکہ ان کے اندر فصل واقع ہے، اسی طرح طسم
سورہ شعراء و طسم سورہ قصص کے بیچ میں
میں طس ہے، حالانکہ وہ ان دونوں سے
چھوٹی ہے، اس لئے اگر ترتیب اجتہادی
ہوتی، تو مسبحات ترتیب وار لائی جاتیں اور
طس سورۂ قصص سے پیچھے لائی جاتی،

۹- ابن حزم (متوفی ۴۵۶ھ) کا بیان ہے،

والقول بان تقسیم آیات
القرآن وترتیب مواضع سورہ
شئ فعلہ الناس لیس ھو من
امر رسول اللہ فقد کذب ھذا
الجاھل وافک اترا لا ما سمع
قول اللہ تعالی ما ننسخ من آیۃ
او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا و
قول رسول اللہ فی آیۃ الکرسی و
وآیۃ الکلالۃ والخبر انہ کان
یامر اذا نزلت الآیۃ ان تجعل
فی سورۃ فی موضع کذا ولو ان

یعنی جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ آیات قرآنی اور
اس کی سورتوں کی ترتیب اللہ تعالی کی جانب
سے ہے، اور نہ اس کے رسول کے حکم سے ہے،
شخص جاہل اور بہتان باندھنے والا ہے کیا
اس شخص نے یہ آیت نہیں سنی، (جو آیت بھی
ہم منسوخ کرتے ہیں، یا بھلا دیتے ہیں، اس
کے عوض اس سے بہتر یا اس جیسی لادیتے
ہیں) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیۃ الکرسی
اور آیۃ الکلالۃ کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے
وہ اس کے علم میں نہیں ہے، حدیث میں ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی آیت

ان الناس رتبوا سورہ لما تعدوا
احد وجوہ ثلثۃ اما یرتبوھا علی
الاول فالاول نزولاً او الاطول
فما دونہ او الاقصر فما فوقہ
فاذ لیس کذلک فقد صح انہ
امر رسول اللہ لا یعارض عن
اللہ عزوجل لا یجوز غیر ذلک
اصلاً،

(کتاب الفصل ج ۴ ص ۲۲۱)

نازل ہوتی تو فرماتے یہ آیت فلان سورت
مین فلان جگہ لکھدی جائے اگر لوگون نے قرآن
کو ترتیب دیا ہوتا تو وہ اس کے تین ہی طریقے
اختیار کرتے، یا بترتیب نزول مرتب کرتے،
یا پہلے بڑی سورتین رکھتے، اس کے بعد
چھوٹی یا پہلے چھوٹی رکھتے اس کے بعد بڑی
لیکن جب یہ صورت نہین ہے تو یقیناً آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے حکم سے مرتب ہونا
ثابت ہے، اور یہ چیز خدا کی جانب سے ہونے
کے معارض نہین ہے، اس کے علاوہ اور
کوئی بات ہرگز صحیح نہین ہے،

یہی ابن حزم قرآن مجید کے نسخون کے متعلق رقمطراز ہین :-

مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و
الاسلام قد انتشر وظہر فی جمیع
جزیرۃ العرب من منقطع البحر المعروف
ببحر القلزم مارا الی سواحل الیمن
کلہا الی بحر فارس الی منقطعہ
مارا الی الفرات ثم علی ضفۃ
الفرات الی منقطع الشام الی بحر القلزم

یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال
ہوا، تو اسلام سارے جزیرہ عرب مین پھیل
چکا تھا، بحر قلزم سے لیکر ساحل یمن تک
اور بحر فارس سے فرات تک اور اس جزیرہ
مین بے شمار شہر اور گاؤن بسے ہوئے تھے
مثلاً یمن بحرین وغیرہ جہان کے تمام باشندے
اسلام لاچکے تھے جنھون نے مسجدین بنائی تھین

وفی ہذہ الجزیرۃ من المدن و
القری مالا یعرف عددہ الا اللہ
کالیمن والبحرین وعمان ونجد و
جبل طی وبلاد مضر وربیعۃ وقضاعۃ
والطائف ومکۃ کلہم قد اسلموا
وبنوا المساجد لیس فیہا مدینۃ
ولا قریۃ ولا حلۃ لاعراب الا
وقد قری فیہا القرآن فی الصلوات
وعلمہ الصبیان والرجال و
النساء وکتب ثم ولی ابوبکر سنتین
وستۃ اشہر فغزا فارس والروم
وفتح الیمامۃ وزادت قراءۃ الناس
للقرآن ولم یبق بلد الا وفیہ
المصاحف ثم مات ابوبکر و
ولی عمر ففتحت بلاد الفرس طولاً
وعرضاً وفتحت الشام کلہا والجزیرۃ
ومصر کلہا ولم یبق بلد الا وبنیت
فیہ المساجد ونسخت فیہ المصاحف
وقرأ الائمۃ القرآن وعلمہ الصبیان

اور کوئی شہر کوئی گاؤن کوئی محلہ ایسا نہ
تھا، جہان نمازون مین قرآن نہ پڑھاجاتا
ہو، بچے مرد اور عورتین سب ہی اس کو
حاصل کرتے تھے، اور وہ لکھا بھی جاتا تھا،
پھر حضرت ابوبکرؓ ڈھائی برس خلیفہ رہے،
انھون نے فارس و یمن پر حملے کئے، یمامہ فتح
کیا، اور قرآن کی قراءۃ لوگون مین زیادہ
پھیلی، کوئی شہر ایسا نہ تھا، جہان قرآن کے
نسخے نہ ہون، حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت
عمرؓ نے اپنے زمانہ مین ایران کے طول و
عرض اور پورے شام و مصر کو فتح کیا، ان
ملکون مین بھی کوئی شہر ایسا نہ تھا، جہان
مسجدین نہ بنی ہون، اور قرآن مجید کے نسخے
نہ لکھے گئے ہون، مساجد کے امام قرآن
پڑھتے تھے، لڑکے مکتبون مین شرق سے
غرب تک قرآن حاصل کرتے تھے، یہ حالت
دس برس اور چند ماہ رہی، اور جس وقت
حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا ہے، اس وقت
مصر سے لے کر عراق و شام و یمن وغیرہ

فی المکاتب شرقاً و غرباً و بقی
کذالک عشرة عواهد واشهراً
.... وان لم یکن
عند المسلمین اذ مات عمرا
مائة الف مصحف من مصر
الی العراق الی الشام الی الیمن
فمابین ذالك فلم یکن اقل،

ین قرآن مجید کے کم سے کم ایک لاکھ نسخے
رہے ہون گے،

(کتاب الفصل ج ۲ ص ۸،)

۱۰ ملا عبد العلی بحر العلوم شرح مسلم الثبوت ین لکھتے ین،

اجمع اهل الحق علی ان ترتیب
آی کل سورة توقیفی بامر اللّٰہ
و بامر الرسول ....
والمحققون علی ان ترتیب السور
من امر رسول (صلی اللّٰہ علیہ وسلم)

اہلِ حق کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہر سورۃ
کی آیون کی ترتیب خدا اور رسول کے حکم
کے مطابق ہے، اور محققین کا مذہب یہ ہے
کہ سورتون کی ترتیب بھی آنحضرت صلی اللّٰہ
علیہ وسلم کے حکم سے ہے،

(کتاب مذکور جلد ۲ ص ۱۱ و ۱۳)

۱۱- مولوی سید محمد صاحب مجتہد شیعی تنزیہ الفرقان ین مولوی سید مرتضیٰ علم الہدیٰ سے نقل
کرتے ین :-

ان القرآن کان علی عهد رسول اللّٰہ
مجموعا مولفا علی ما هو علیه الآن

یعنی قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
زمانہ ین اسی طرح مرتب اور لکھا ہوا تھا،
جیسا کہ وہ آج ہے۔ (ملاحظہ ہو تاریخ القرآن
مولفہ مفتی عبد اللطیف صاحب ص ۱۰۱ مطبوعہ)

۱۲- محمد بن الحسن حر عاملی شیعی لکھتے ین،

ہر کسے کہ تتبع اخبار و تفحص تواریخ و
آثار نمودہ بعلم یقینی میداند کہ قرآن در غایت
و اعلیٰ درجہ تواتر بودہ و آلاف صحابہ حفظ و
نقل می کردند، آن در عہد رسول خدا مجموع
مولف بود"

یعنی جس کسی نے بھی تاریخ و احادیث پر
غور کیا ہے، وہ یقیناً جانتا ہے کہ قرآن تواتر
کے اعلیٰ درجہ پر ہے، ہزاروں صحابی اس کو
یاد بھی کرتے تھے، اور دوسرون تک پہنچاتے
بھی تھے، اور یہ کہ وہ خود آنحضرت صلی اللّٰہ
علیہ وسلم کے زمانہ ین مرتب طور پر لکھا ہوا تھا،

(تاریخ القرآن ص ۱۰۴)

غرض عہد نبوی ین قرآن مجید کی سورتون اور آیات کی ترتیب اور اُس کی کتابی تدوین ایک ایسی مسلّمہ حقیقت ہے کہ اس ین کسی شبہہ کی گنجایش نہین ہے، لیکن تین روایتین ایسی ملتی ین جن سے اس بارہ ین شبہہ پیدا ہوسکتا ہے اس لئے آیندہ سطورین اس پر بحث کرکے ان کی حقیقت ظاہر کی جائے گی،

۱- پہلی روایت ابن شہاب زہری سے مروی ہے، جو صحیح بخاری ین تین جگہ آئی ہے تفسیر سورۂ توبہ ین، فضائل قرآن کے باب جمع القرآن ین اور کتاب الاحکام کے باب یستحب للکاتب ان یکون امیناً عاقلاً ین صحیح بخاری کے علاوہ جامع ترمذی تفسیر سورہ توبہ ین بھی یہ روایت ہے لیکن صحیح بخاری کی تینون روایتین اور ترمذی کی روایت سب کی سب ابن شہاب زہری عن عبید بن السباق سے مروی ین، بخاری کی سند ین زہری تک دو واسطے ین، پہلی عن ابی الیمان عن شعیب دوسری عن موسیٰ بن اسمٰعیل عن ابراہیم ابن سعد تیسری عن محمد بن عبید اللہ ابی ثابت عن ابراہیم بن سعد ترمذی کی روایت ین زہری تک تین واسطے ین عن محمد ابن بشار عن عبد الرحمٰن بن مهدی نا عن ابراهیم بن سعد، غرض تمام طرق کا مدار

زہری ہوئے جو عبید بن السباق سے اس کو روایت کرتے ہیں، محدثین نے کسی روایت کو جانچنے کے دو قاعدے مقرر کئے ہیں: پہلا باعتبار سند، دوسرا باعتبار روایت و عقل، اس لئے ان روایتوں کا متن نقل کرکے انہی کے قواعد کی روشنی میں ان پر بحث کی جائے گی، روایت یہ ہے:

عن زید ابن ثابت قال بعث الی ابو بکر لمقتل اهل الیمامة وعنده عمر فقال ابو بکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامة بقراء القرآن وانی اخشی ان یستحر القتل بقراء القرآن فی المواطن کلها فیذهب قرآن کثیر وانی اری ان تامر بجمع القرآن فقلت کیف افعل شیئاً لم یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال عمر هو والله خیر فلم یزل عمر یراجعنی فی ذلك حتی شرح الله صدری للذی شرح له صدر عمر ورایت فی ذلك الذی رای عمر قال زید قال ابو بکر وانك رجل شاب عاقل لا نتهمك قد کنت تکتب الوحی لرسول الله

یعنی زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ یمامہ میں قتل کے واقعہ کے بعد مجھکو حضرت ابو بکرؓ نے بلا بھیجا، حضرت عمرؓ بھی اُن کے پاس تھے، حضرت ابو بکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ عمرؓ نے آکر مجھ سے کہا کہ یمامہ میں قرآن کے قاری بہت قتل ہوگئے ہیں، اگر لڑائیوں میں قرآن کے قاری اسی طرح زیادہ قتل ہوتے رہے، تو بہت سا قرآن ضائع ہو جائے گا، اسلئے میری رائے ہے کہ آپ قرآن جمع کرنے کا حکم دیں، حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا میں کیسے وہ کام کروں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہے، عمرؓ نے جواب دیا خدا کی قسم یہ اچھی بات ہے، عمر مجھ سے اس بارے میں برابر گفتگو کرتے رہے، یہاں تک کہ خدا نے میرا سینہ بھی اس رائے کے لئے کھول دیا، جس کے لئے عمرؓ کا سینہ کھولا تھا،

صلی الله علیه وسلم فتتبع القرآن فاجمعه قال زید فوالله لو کلفنی نقل جبل من الجبال ما کان باثقل علی مما کلفنی من جمع القرآن قلت کیف تفعلان شیئاً لم یفعله رسول الله قال ابو بکر هو والله خیر فلم یزل یحث مراجعتی حتی شرح الله صدری للذی شرح الله صدر ابی بکر وعمر ورایت فی ذلك الذی رایا فتتبعت القرآن اجمعه من العسب والرقاع واللخاف وصدور الرجال فوجدت آخر سورة التوبة لقد جاءکم رسول من انفسکم الخ مع خزیمة او ابی خزیمة فالحقتها فی سورتها وکانت الصحف عند ابی بکر حیاته حتی توفاه الله ثم عند حفصة بنت عمر

(صحیح بخاری جلد چہارم ص ۱۵۰۱۲۹)

اور عمر کی طرح میری سمجھ میں بھی یہ بات آگئی، زید کہتے ہیں کہ ابو بکر نے مجھ سے کہا کہ تم جوان عقلمند ہو اور تمہارا دامن بھی اتہام سے پاک ہے، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی بھی تھے، اس لئے قرآن تلاش کرکے جمع کرو، زید کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر کسی پہاڑ کو ہٹانے پر بھی وہ مامور کرتے، تو مجھ پر اتنا گراں نہ گذرتا جتنا قرآن کا جمع کرنا میرے لئے گراں تھا، میں نے کہا آپ دونوں ایسا کام کس طرح کرنا چاہتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا خدا کی قسم یہ اچھی بات ہے، اور برابر مجھ سے اس بارے میں گفتگو کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ بھی اس رائے کے لئے کھول دیا، جس کے لئے ابو بکر و عمر کا سینہ کھولا تھا، اور میں نے بھی وہی سمجھ لیا، جو انہوں نے سمجھا تھا، چنانچہ میں نے کھجور کی چھالوں، چمڑے کے ٹکڑوں، پتھروں، نیز ادر لوگوں کے سینوں سے قرآن کی تلاش شروع کردی

صحیح بخاری کی اس روایت مین جو تین جُدا جدا مقامات پر آئی ہے، الفاظ کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے، جس کو اصطلاحِ محدثین مین اضطراب کہتے ہین، اضطراب کی وجہ سے حدیث کی قوت کم ہوجاتی ہے، وہ اختلاف یہ ہے،

بخاری کی روایت ابراہیم سے	بخاری کی روایت شعیب سے	ترمذی کی روایت
(۱) قد استحر یوم الیمامة بقرأ القرآن،	(۱) قد استحر یوم الیمامه بالناس،	(۱) قد استحر بقراء القرآن یوم الیمامة،
(۲) من العسب والرقاع واللخاف وصدور الرّجال،	(۲) من الرقاع والاکتاف والعسب وصدور الرّجال	(۲) من الرقاع والعسب واللخاف وصدور الرجال،
(۳) فوجدت اٰخر سورة التوبة مع خزیمة او ابی خزیمة،	(۳) حتی وجدت من سورة التوبة اٰیتین مع خزیمة الانصاری،	(۳) مع خزیمة بن ثابت،
(۴) فالحقتها فی سورتها،	(۴) شعیب کی روایت مین یہ الفاظ نہین ہین،	(۴) ترمذی مین بھی یہ الفاظ نہین ہین،

یہ اضطراب متن کا ہے، سند مین دیکھا جائے تو حسب ذیل امور قابلِ بحث ہین،

(۱) زہری کے متعلق میزان الاعتدال جلد سوم ص ۱۲۶ مین ہے،

کان یدلس فی النّادر، کبھی کبھی وہ تدلیس کرجاتے تھے،

یعنی کسی معاصر سے بغیر سنے ہوئے اس طور پر روایت کرنا کہ سنا ہوا ہونا معلوم ہو یا سنی ہوئی بات اسطرح بیان کرنا کہ استاد کی شناخت نہ ہوسکے،

اور تہذیب التہذیب جلد نہم ص ۴۴۸ پر ہے :-

وقد رمائیتین من حدیثه عن غیر الثقات واما ما اختلفوا فیه فلا یکون خمسین حدیثاً، و الاختلاف عندنا ما تفرد به قوم فی شیٔ،

یعنی دو سو حدیثین زہری کی غیر ثقہ لوگون سے مروی ہین، اور وہ حدیثین جن مین محدثین نے اختلاف کیا ہے، پوری پچاس نہ ہون گی، اور اختلاف کے معنی ہمارے نزدیک یہ ہین کہ جس کو کسی جماعت نے منفرد ہوکر روایت کیا ہو،

۲- زہری کی عادت ادراج یعنی حدیث مین اپنی طرف سے الفاظ بڑھا دینے کی بھی تھی، چنانچہ آغازِ وحی والی حدیث مین "تحنث" کے بعد "وہو التعبد" ان کا ادراج ہے، (ملاحظہ ہو فتح الباری جلد اول ص ۱۲ و ۱۱ در تدریب الراوی ص ۹۹) توجیہ النظر ص ۲۰ پر ہے،

والادراج بجمیع اقسامه محذور، قال السمعانی من تعمد الادراج فهو ساقط العدالة وقد استثنی بعضهم من ذلک ما ادرج لتفسیر غریب وقد فعله الزهری،

یعنی ادراج کی تمام قسمین منع ہین، سمعانی کہتے ہین جو شخص قصداً ادراج کرے اس کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے، لیکن بعض لوگون نے اس ادراج کو مستثنیٰ کیا ہے، جو کسی نادر لفظ کی تشریح کے لئے ہو اور ایسا ادراج زہری نے کیا ہے

۳- زہری اس روایت مین منفرد ہین، کیونکہ اور کسی نے اس واقعہ کو روایت نہین کیا ہے، تفرد بھی ضعف کا موجب ہے، اور زہری کی اس روایت مین ادراج اور تدلیس اور تفرد یہ سب باتین موجود ہین جس سے یہ روایت پایۂ اعتبار سے ساقط ہے،

۴- دوسرے راوی ابراہیم بن سعد کی بابت میزان الاعتدال جلد اول ص ۱۱ پر ہے :-

ذکر عند یحییٰ ابن سعید عقیل وابراھیم فجعل کادہ یضعفھما، — یعنی یحییٰ بن سعید کے سامنے عقیل اور ابراہیم کا ذکر ہوا، تو انھون نے ان دونون کو ضعیف تبلایا،

۵- عبید بن السباق جو اس واقعہ کو زید بن ثابتؓ سے روایت کرتے ہین، اُن کے نہ سنہ ولادت کا پتہ ہے، اور نہ سنہ وفات کا، تہذیب التہذیب جو اسماء الرجال کی سب سے بڑی کتاب ہے، اس مین ان کا ذکر صرف چند سطرون مین ہے اور وہ بھی اس طور پر کہ جن لوگون سے انھون نے روایت کی، اور جن لوگون نے اُن سے روایت کی، اُن کے نام لکھدیئے ہین، خود اُن کی ذات کے متعلق صرف دو کلمے ہین،

الثقفی المدنی، — یعنی قبیلۂ ثقیف کے، اور مدینہ کے رہنے والے ہین،

۶- سورۂ توبہ کی آخری آیتون کا خزیمہ یا ابوخزیمہ سے ملنے کا بیان بھی شک کے ساتھ ہے، کیونکہ یہ دونون الگ الگ ہین، اور شک موجب ضعف ہے، یہ تو اس روایت کی روایتی حیثیت ہے، درایتی حیثیت یہ ہے کہ

۱- تفرد اور خبر احاد ہونے کی وجہ سے تواتر کے مقابلہ مین ناقابل قبول ہے، کیونکہ تواتر سے یہ ثابت ہے کہ عہد نبوی ہی سے پورا قرآن مرتب ہو کر بذریعہ تواتر نقل ہوتا چلا آرہا ہے، اس لئے اس تواتر کے مقابلہ مین یہ روایت اگر قوی بھی ہوتی تو بھی معتبر نہین ہوسکتی تھی، نہ کہ اس مین مذکورہ بالا کمزوریان بھی موجود ہین، اس حالت مین مقابلہ کا کوئی سوال ہی پیدا نہین ہوتا،

۲- یہ روایت خود زہری کی بخاری کی اس روایت کے خلاف ہے کہ زید بن ثابتؓ نے عہد نبوی مین قرآن جمع کیا تھا،

۳- اس روایت سے معلوم ہوتا ہو کہ قرآن مجید کی متفرق آیتین پتھر کے ٹکڑون، پتون، اور کھجور کی

چھال پر لکھی ہوئی تھین جن کی حفاظت بحیثیت مجموعی غیر ممکن ہے، اور عقل اس کو ہرگز باور نہین کرسکتی کہ قرآن جیسی اہم چیز اس طرح پراگندہ پڑی رہی ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کچھ خیال نہ فرمایا ہو، یہ چیز بلغ ما انزل الیک کے بھی خلاف ہے، کیونکہ تبلیغ کامل کی صورت صرف یہی ہے کہ کلام مجید کو مرتب اور محفوظ صورت مین لوگون تک پہنچایا جائے، تاکہ کسی خلل کا اندیشہ باقی نہ رہے، دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ پتون وغیرہ پر لکھے ہونے کی حالت مین ترتیب سور کا کیا ذکر، ترتیب آیات بھی قائم نہین رہ سکتی تھی، حالانکہ عہد نبوی مین آیات کی ترتیب روز روشن کی طرح ثابت ہوچکی ہے، تیسری بات یہ ہے کہ عہد نبوی مین قرآن کی تعلیم کا مکمل انتظام ہونا ثابت ہے، اور پراگندہ حالت مین جبکہ پتھر کے ٹکڑون اور پتون پر وہ لکھا ہوا تھا، اس کی تعلیم کس طرح ممکن ہوتی،

۴- حضرت ابوبکرؓ ربیع الاول ۱۱ھ مین خلیفہ ہوئے، آپ کی مدت خلافت دو برس تین ماہ گیارہ یوم ہے، جنگ یمامہ ۱۱ھ کے آخر مین ہوئی ہے، اگر زید بن ثابتؓ نے اس جنگ کے بعد قرآن کو جمع کیا، اور جیسا کہ اس روایت سے ثابت ہے حضرت ابوبکرؓ ہی کے زمانہ مین اس کو مکمل بھی کرلیا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تقریباً ڈیڑھ سال مین انھون نے تنہا یہ عظیم الشان کام پورا کرلیا، جو بالکل خلاف عقل ہے کہ تنہا ایک شخص اتنے بڑے کام کو جو کوہ کندن اور کاہ برآوردن سے بھی زیادہ سخت ہو اتنی تھوڑی سی مدت مین مکمل کرے، اس کام کی دشواری کا بیان خود روایت مین بھی موجود ہے،

۵- عقل اس کو تسلیم نہین کرسکتی کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایسے اہم اور مشکل کام کو تنہا ایک شخص کی سپردگی مین دیا ہوگا، جب کہ قرآن سے شغف رکھنے والے اور بہت سے صحابہ بلکہ ان سے بہتر زندہ موجود تھے، مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوالدرداءؓ وغیرہما، جن کے اسماء اوپر تفصیل کے ساتھ بیان ہوچکے ہین، بلکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کام حفاظ اور کتاب صحابہ کی پوری جماعت کے سپرد کیا جاتا، جیسا کہ حضرت عثمانؓ نے اس سے کہین کم اہم یعنی نقل مصاحف کا کام ایک جماعت کے سپرد کیا تھا،

۶- اس روایت کا یہ بیان بھی کہ جنگ یمامہ مین بکثرت قاری شہید ہوئے، واقعہ کے خلاف ہی، یون تو اس زمانہ کا ہر مسلمان قاری وحافظ تھا، اس لئے جتنے بھی مسلمان شہید ہوئے، سب قاری وحافظ رہے ہون گے، لیکن یہ لوگ اس پایہ کے نہ تھے کہ ان کی شہادت سے قرآن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو سکتا، ایسے قراء وحفاظ جن کا خاص شغلہ قرآن تھا، اور جن کی شہادت سے قرآن کے ضائع جانے کا اندیشہ ہو سکتا تھا، ان مین کم تھے مشہور قراء مین سے صرف سالمؓ مولیٰ ابو حذیفہ اس جنگ مین شہید ہوئے، اس لئے قرآن مجید کی جمع و ترتیب کا سبب قراء کی شہادت کو قرار دینا بھی صحیح نہین ہے،

۷- قرآن مجید کی اہمیت اس کی متقاضی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کی جمع و ترتیب کا کام انجام دیتے، جیسا کہ اوپر ثابت ہو چکا ہے، لیکن اگر بفرض محال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کو نہین کیا تھا تو آپ کی وفات کے بعد صحابہ اور خلفاء کا اولین فرض یہ تھا کہ وہ بلا لحاظ اس کے کہ کسی جنگ مین قراء شہید ہوئے ہون، یا نہ شہید ہوئے ہون، قرآن کی جمع و ترتیب کا فرض انجام دیتے، کیونکہ قراء کی شہادت اگر نہ بھی ہوتی، تو بھی موت سے کس کو مفر ہے، ایسی حالت مین صرف حفاظ قرآن کی موت ہی کے اندیشہ سے یہ فرض تھا کہ صحابہ اس کو جمع و مرتب کر کے اس کی نقلین تمام ممالک اسلامیہ مین بھیج دیتے، جس طرح حفاظ قرآن کو خلفاء نے جا بجا بھیجا تھا،

۸- جمع و ترتیب قرآن کے بارہ مین اگر حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ اور زیدؓ بن ثابت کی یہ ردوکد صحیح مان لی جائے، تو اس کے معنی یہ ہین کہ یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین قرآن مجید کی جمع و ترتیب سے بے خبر تھے، حالانکہ خود صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ متعدد صحابہ نے عہد نبوی مین قرآن جمع کر لیا تھا، اور عقل اس کو باور نہین کر سکتی کہ قرآن جمع ہو گیا ہوتا، اور یہ حضرات بے خبر رہتے،

۹- سورۂ براۃ کی آخری آیتون کا صرف خزیمہ یا ابو خزیمہ کے پاس ملنا خود صحیح بخاری کی اس روایت کے خلاف ہے کہ

عَنِ البراء قال آخر سورة نزلت	یعنی قرآن کی آخری سورہ جو مکمل
کاملة براءة،	نازل ہوئی، سورۂ براءۃ ہے،

(بخاری ج ۲ ص ۹۴ و جلد ۳ ص ۸۵)

اور جب یہ سورہ پوری نازل ہوئی تو یہ کیسے ممکن ہو کہ اس کی آخری آیتین گم ہو گئی ہون، اور بعض ایک شخص کے پاس ملی ہون، اور تاریخی شہادت سے بھی ثابت ہو کہ حضرت علیؓ نے حجاج کے مجمع مین پوری سورۂ براءۃ پڑھ کر سنائی تھی (دیکھئے صحیح بخاری جلد سوم ص ۸۴، ۸۵)

اب اس سلسلہ کی دوسری روایت کو جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ترتیب سور مین صحابہ کا ہاتھ تھا، بہ نظر نقد دیکھنا چاہئے، یہ روایت ترمذی مین ہی،

حدثنا محمد ابن بشار نا یحیی ابن	یعنی حضرت ابن عباسؓ کہتے ہین کہ مین
سعید و محمد ابن جعفر و ابن ابی	نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ آپ نے سورۂ
عدی و سهل ابن یوسف قالوا	انفال کو جو مثانی سے ہے، اور سورۂ براءۃ
نا عوف ابن ابی جمیلة ثنی یزید	کو جو مئین سے ہے کیون ملا دیا، اور دونون
الفارسی عن ابن عباس قال قلت	کے درمیان بسم اللہ نہین لکھی، اور اس کو سات
لعثمان ابن عفان ما حملکم ان	بڑی سورتون مین لے لیا، حضرت عثمانؓ نے
عمدتم الی الانفال وهی من المثانی	جواب دیا، .... کہ
والی براءة وهی من المئین فقرنتم	سورۂ انفال مدینہ مین پہلے نازل ہونے والی
بینهما ولم تکتبوا بینهما سطر بسم	سورتون مین ہے، اور براءۃ آخر مین نازل
الله الرحمن الرحیم ووضعتموها فی السبع	ہوئی، اور دونون کا مضمون ملتا جلتا ہی اسلئے
الطوال ما حملکم علی ذلك فقال	مین نے یہ خیال کیا کہ دونون ایک ہین آنحضرت

عثمان .... كانت الأنفال من اوائل ما نزلت بالمدينة وكانت براءة من آخر القرآن وكانت قصتها شبيهة بقصتها فظننت انها منها فقبض رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يبين لنا انها منها فمن اجل ذلك قرنت بينهما فلم اكتب بينهما سطر بسم الله الرحمن الرحيم ووضعتها في السبع الطوال، (ترمذی جلد ۲ ص ۱۳۴)

صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا، اور آپ نے یہ نہین بتلایا کہ براۃ انفال کا جزو ہے، اس لئے مین نے دونون کو ملا دیا، اور بسم اللہ نہین لکھی، اور اس کو سات بڑی سورتون مین لے لیا،

اس روایت مین اگرچہ اس کی تصریح نہین ہے کہ سورتون کی ترتیب صحابہ نے دی، مگر انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل صحابہ کا ہے جب ہی حضرت عثمانؓ نے سورۂ انفال اور براۃ کو ملا دیا،

اس روایت کی تنقید بھی سند اور درایت دونون کے اعتبار سے ضروری ہے، سند کے اعتبار سے اس مین یہ خرابی ہے کہ تمام طرق عوف ابن ابی جمیلہ سے چلتے ہین، عوف کے علاوہ کسی اور راوی نے اس کو روایت نہین کیا، اور اس کا یہ حال ہے کہ ابن مبارک نے اس کو قدری شیعی کہا ہے، (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ہشتم ص ۱۶۷) پھر اسی کتاب مین اسی صفحہ پر میزان الاعتدال کے حوالہ سے اس کو رافضی لکھا ہے، ایک دوسرا راوی اس روایت یزید الفارسی مجہول شخص ہے، چنانچہ تہذیب التہذیب جلد یازدہم ص ۳۷۰ مین ہے کہ

یحیی ابن سعید لم یعرفہ

یعنی یحییٰ بن سعید جیسا فن رجال کا ماہر شخص اس یزید فارسی کو نہین جانتا.

درایت کے اعتبار سے حسب ذیل امور اس روایت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہین، پہلی تو یہی بات ہے کہ سورتون کی ترتیب بھی بذریعہ تواتر آنحضرتؐ سے ثابت ہے اور یہ روایت اس کے خلاف ہے، دوسرے یہ قرآن مجید جس کی حفاظت کا وعدہ خود اللہ تعالی نے بڑی شد و مد سے فرمایا گیا وہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک اسی طرح چلتا رہا کہ لوگون کو یہ بھی پتہ نہ تھا کہ سورۂ انفال اور سورۂ براۃ دو ہین یا ایک؟ عقل اس کو ہرگز باور نہین کر سکتی کہ اتنے زمانہ تک مسلمان اس سے ناواقف رہے ہون، حالانکہ دوسری صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ دونون جداگانہ سورتین ہین، سورۂ براۃ کے تمام و کمال ایک ساتھ نازل ہونے اور حجۃ الوداع مین اس کی تلاوت کی روایت صحیح بخاری کے حوالہ سے اوپر مذکور ہوچکی، رہا یہ سوال کہ جب دونون سورتین جداگانہ ہین، تو ان کے بیچ مین دوسری سورتون کی طرح بسم اللہ کیون نہین لکھی گئی، اس کا جواب یہ ہے کہ دو سورتون کے بیچ مین بسم اللہ کا نازل کرنے والا اللہ تعالی ہے، اور بحکم الٰہی ترتیب دینے والے آنحضرتؐ ہین، کسی تیسرے کو اس مین دخل نہین ہے، ایسی حالت مین کوئی شخص اس کا سبب نہین جان سکتا، یہ معاملہ بھی حروف مقطعات کی طرح رموز قرآنی مین سے ہے،

تیسری روایت حضرت حذیفہؓ کی ہے جس سے چند امور خلاف تواتر ظاہر ہوتے ہین، وہ روایت یہ ہے؛

حدثنا موسی حدثنا ابراهیم حدثنا ابن شهاب ان انس ابن مالک حدثه ان حذیفة ابن الیمان قدم علی عثمان وکان یغازی اهل الشام فی فتح آرمینیة واذربیجان مع اهل العراق فافزع حذیفة اختلافهم فی القرأة وقال حذیفة لعثمان یا امیر المومنین ادرك هذه الامة قبل ان یختلفوا

یعنی زہری انس سے روایت کرتے ہین کہ حذیفہ ابن الیمان جو فتح آرمینیہ اور آذربیجان مین شامل تھے، قرآن کی قرأۃ مین اختلاف دیکھ کر گھبرا گئے اور واپس ہوکر حضرت عثمانؓ سے کہا امیر المومنین قبل اس کے کہ کتاب اللہ کے اندر بھی ویسا ہی اختلاف پیدا ہو جائے جیسا کہ یہود و نصاری کے درمیان ہے، اس امت کی خبر لیجئے، اس پر حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس سے

فی الکتاب اختلاف الیھود والنصاریٰ فارسل عثمان الی حفصة ان ارسلی الینا بالصحف ننسخھا فی المصاحف ثم نردھا الیک فارسلت بھا حفصة الی عثمان فامر زید ابن ثابت وعبد اللہ ابن الزبیر و سعید ابن العاص وعبد الرحمٰن ابن الحارث ابن ھشام فنسخوھا فی المصاحف وقال عثمان لرھط القرشیین الثلاثة اذا اختلفتم انتم وزید ابن ثابت فی شیٔ من القرآن فاکتبوہ بلسان قریش فانما نزل بلسانھم ففعلوا حتی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف رد عثمان الصحف الی حفصة وارسل الی کل افق بمصحف مما نسخوا وامر بما سواہ فی کل صحیفة او مصحف ان یحرق قال ابن شھاب واخبرنی خارجة

صحیفے منگوائے، (یعنی زیدؓ بن ثابت کا جمع کیا ہوا قرآن بزمانہ حضرت ابوبکرؓ) اور کہلا بھیجا کہ اس کی نقلیں لے کر واپس کر دیں گے، اور ایک مجلس زیدؓ بن ثابت اور تین قریشی صحابہ کی مرتب کر کے نقل کا کام ان لوگوں کے سپرد کر دیا اور یہ بھی حکم دیا کہ جہاں کہیں انصاری اور قریشیوں میں اختلاف ہو، تو قریش کے لغت کو ترجیح دیجائے، ان حضرات نے نقلیں کر لیں اور حضرت عثمانؓ نے اصل حضرت حفصہؓ کو واپس کر دیا، اور نقلوں میں سے ایک ایک نسخہ ہر ملک میں بھیج دیا، اور حکم دیا کہ قرآن کے دوسرے نسخے جلا دئے جائیں، ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ سے زیدؓ بن ثابت کے بیٹے خارجہ نے بیان کیا کہ اُن کے والد کہتے تھے کہ نقل کرتے وقت سورۂ احزاب کی آیت من المؤمنین رجال الخ مجھ کو نہیں ملی، حالانکہ میں یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سُنا کرتا تھا، جب ہم نے اس کو تلاش کیا تو وہ خزیمہؓ بن ثابت انصاریؓ کے پاس ملی،

ابن زید ابن ثابت سمع زید ابن ثابت قال فقدت اٰیة من الاحزاب حین نسخنا المصحف قد کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقراء بھا فالتمسناھا فوجدناھا مع خزیمة الانصاری من المؤمنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فالحقناھا فی سورتھا فی المصحف

(بخاری ج ۳ ص ۱۴۰)

اور ہم نے اس کو اس کی صورت میں شامل کر دیا،

اس روایت سے تین باتیں ظاہر ہوتی ہیں، ایک یہ کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک قرآن مجید کی قرأۃ میں دور دراز کے ممالک میں اس قدر اختلاف پیدا ہو گیا تھا جس کو دیکھ کر حضرت حذیفہؓ سخت پریشان ہو گئے، اور حضرت عثمانؓ کو اس کی اصلاح کی جانب توجہ دلائی، اور یہ اختلاف اتنا شدید تھا کہ اگر اس کا تدارک نہ کیا جاتا تو قرآن میں بھی یہود و نصاریٰ کی کتب سماویہ کی طرح اختلاف ہو جانے کا اندیشہ تھا،

دوسری بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ اس کا تدارک حضرت عثمانؓ نے یہ کیا کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے والے قرآن کی نقلیں کرا کے دور دراز ممالک میں بھیجدیں، اور اس نقل میں اختلاف کو اس طرح دفع کیا کہ صرف قریش کے محاورہ پر نقل کی بنیاد رکھی،

تیسری بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ والے مصحف میں ایک آیت سورۂ احزاب کی درج نہ تھی جس کا احساس زیدؓ بن ثابت کو عہد صدیقی میں نہ ہوا تھا، اور عہد عثمانی میں نقل کے وقت اس کا احساس ہوا، مجلس ناقلین میں سے اس احساس میں وہ منفرد تھے، چنانچہ انھوں نے اور اُن کے ساتھ دوسرے

ناقلین نے اس آیت کی تلاش شروع کی، اور آخر کار خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس وہ آیت ملی، اور اس کو قرآن مجید مین اُس کی جگہ شامل کر دیا گیا،

اس روایت پر بھی سنداً اور درایۃً تنقید ضروری ہے، اسکی روایتی حیثیت یہ ہے کہ اس کے راوی بھی ابراہیم اور ابن شہاب زہری ہین، جن کے متعلق تفصیل کے ساتھ اوپر بحث ہو چکی ہے، درایتی تنقید مین ان تمام امور پر نظر ڈالنی ضروری ہے، جو اس روایت سے ظاہر ہوتے ہین، ان مین پہلی بات قرآن مجید ۔۔۔ مین عظیم الشان اختلاف کا پایا جانا ہے، حالانکہ عہد رسالت سے لیکر عہد عثمانی اور اس کے بعد کے تمام زمانون مین قرآن مجید کی جمع و تدوین اور تعلیم و اشاعت مین جو غیر معمولی اہتمام کیا گیا تھا، اور جس تواتر سے وہ نقل ہوتا چلا آیا تھا اس کے بعد کسی ایسے بڑے اختلاف کا پایا جانا غیر ممکن ہے، جسے دیکھ کر حضرت حذیفہ رض گھبرا گئے، اور جس کو یہود و نصاریٰ کے سے اختلاف کا ان کو اندیشہ ہو،

دوسرے قرآن تو قریش کے محاورہ کے مطابق نازل ہی ہوا تھا، اور اس کے تحفظ، اور اسی شکل مین اس کو مسلمانون تک پہنچانے کی ذمہ داری خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تھی اور اسکو بغیر کسی تغیر کے قائم رکھنے کی ذمہ داری تمام مسلمانون پر تھی، اس لئے اس کو بدلنے کی جرأت کون کر سکتا تھا،

تیسری بات۔ یعنی سورۂ احزاب کی ایک آیت کا نقل کے وقت پہلے نسخہ مین نہ ملنا سب سے زیادہ عجیب و غریب ہے، جمع قرآن والی روایت مین بھی اس کا ذکر ہے کہ چند آیتین جو کہین مل نہین رہی تھین، مشکل سے وہ سورۂ برأۃ کی آخری آیتین تھین، اور اس روایت مین بتلایا گیا ہے کہ سورۂ احزاب کی آیت نقل کے وقت نہین مل رہی تھی، اب قابل غور امر یہ ہے کہ پہلے بھی انھین زید بن ثابتؓ نے جمع و کتابت کا کام کیا تھا، اس وقت سورۂ برأۃ کی آخری آیتین نہین مل رہی تھین، اور سورۂ احزاب والی آیت یا تو اس وقت گم نہ تھی، یا ان کو اس وقت اسکا احساس نہین ہوا، اگر گم نہ تھی تو بعد مین کیسے اس صحیفہ سے گم ہو سکتی تھی، جو خود انہی کا ترتیب دیا ہوا اور انہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا حفاظت کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور پھر حضرت حفصہؓ کے پاس رہا، اگر یہ خیال کیا جائے

کہ اس آیت کے گم ہونے کا ان کو حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین ترتیب دیتے وقت احساس نہین ہوا، تو یہ بھی غیر ممکن معلوم ہوتا ہے کہ زید بن ثابتؓ جیسا حافظ سورۂ احزاب کی اس آیت سے پہلی دفعہ غافل ہو، اور پہلی ترتیب کے سالہا سال بعد پھر جب نسخون کے سامنے لایا جائے تو اس وقت احساس ہو، اس لئے عقلاً اس روایت کا یہ ٹکڑا محال معلوم ہوتا ہے، اور اگر ان روایتون کو جو تواتر کے خلاف ہین صحیح تسلیم کر لیا جائے تو قرآن پر سے اعتماد اٹھ جاتا، اور یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ اب بھی اس مین سے کچھ غائب ہو، جو وعدۂ الٰہی انا له لحافظون کے بالکل خلاف ہے، اس کے علاوہ ان روایتون کا مضمون اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کے خلاف ہے، اس لئے قرآن کے تواتر کے مقابلہ مین یہ روایتین ناقابل اعتبار ہین، اور روایت و درایت کی رو سے بھی غیر معتبر ہین، ان تین روایتون کے علاوہ بعض اور روایتین بھی اختلاف قرأۃ اور اختلاف ترتیب کو ظاہر کرتی ہین، ان سب کا اجمالی جواب یہ ہے کہ وہ اخبار احاد ہین جو تواتر کے مقابلہ مین ہرگز قابل اعتبار نہین، اگر خدا کو منظور ہے تو پھر کسی وقت ان روایتون کی بھی تنقید پیش کی جائے گی،

واللہ ہو الموفق للصواب والیہ المرجع والمآب اللہم احفظنا من العقائد الباطلۃ و آراء اہل الاھواء الفاسدۃ،

فارابی

۲۵۹ھ ۸۷۲ء تا ۳۳۹ھ ۹۵۰ء

ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ

(۳)

تبصرہ

فارابی علم کو عمل پر ترجیح دیتا ہے، یہ ایک حد تک صحیح ہے اسی بنا پر رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا کی تلقین کی گئی ہے، علم صحیح عملِ صالح کے لئے ضروری ہے، جب تک ۔ ۔ ۔ ہم یہ نہ جانیں کہ نیکی کیا ہے، خصائلِ حسنہ کیا ہیں، تقوی کیا ہے، عفت و شجاعت کیا ہے، حکمت و عدالت کیا ہیں، اور اُن کی ضد خصائلِ سیئہ کیا ہیں، اس وقت تک نہ ہم نیک بن سکتے ہیں، اور نہ اپنے اندر تقوی پیدا کر سکتے ہیں، جب یہ معلوم ہو جائے کہ نیکی کیا ہے، اس وقت ہم نیک بن سکتے ہیں، اسی معنی میں علم مقدم و افضل ہے، علم قائد ہے اور عمل اُس کا تابع ہے، !

لیکن محض علم یا جان لینا ہرگز کافی نہیں، علم کے باوجود انسان کا نیک کردار میں جانا ضروری نہیں، جذبات و شہوانیات عمل کی راہ میں مزاحم ہوتے ہیں، اس سے روکتے ہیں ! وہ علم جو عمل میں ظاہر نہیں ہوتا وہ قطعاً غیر نافع اور ایک وبال ہے، علم نہیں ہے جہل ہے، اور تمام بدیون کا مبدا ہے، ! ذرا غور کرو کہ مجرد علم سے انسان کو کیا نفع حاصل ہو سکتا ہے، ؟ فرض کرو کہ ایک شخص جنگل میں جا رہا ہے، اس کے ساتھ تلوار بھی ہے، تیر و کمان بھی، اور دوسری قسم کے ہتھیار بھی کہ دفعۃً اس پر ایک شیر حملہ آور ہوتا ہے، تو کیا وہ شیر کے حملہ کو بغیر

اپنے ہتھیار ہمت و جوانمردی سے استعمال کئے دفع کر سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں ! بالکل اسی طرح اگر کوئی شخص ہزار علمی مسئلے جانتا ہے، مگر ان میں سے ایک پر بھی عمل نہیں کرتا تو اس کا یہ جاننا کس کام کا ؟ اسی طرح اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے اور اس کو یہ معلوم ہو کہ اس کی بیماری حرارت اور صفرے کی وجہ سے ہے، اور یہ بھی معلوم ہو کہ سکنجبین کھانے سے اس کو آرام ہو سکتا ہے، اور اس پر بھی وہ سکنجبین استعمال نہ کرے تو بتلاؤ کہ محض یہ جاننا کہ اس کے استعمال سے بیماری جاتی ہے کیا بیماری کو دفع کر سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں !

گر مَی دو ہزار رطل از وہ پیمائی
تا مَی نخوری نباشدت شیدائی !

بہت سارا علم حاصل کرنا، بہت سی کتابیں جمع کر لینا، اور ان پر عمل نہ کرنا، کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا، اور یہ عالم کے لئے عار ہے، باعثِ فضل نہیں، جیسا کہ ایک فلسفی شاعر نے مثال دے کر سمجھایا ہے :-

علمے کہ در و عمل نباشد عار است	ہر سبحہ کہ بے ذکر بود زنار است
ہر کس کہ بہ علم بے عمل می نازد	عالم بنود اعمیٰ مشعل دار است

(میر علی)

ہر کتاب خوان و کتاب دان عالم نہیں قرار دیا جا سکتا، امام شعبی کے الفاظ میں وہ عالم نہیں، متلذذ بالمسائل (Intellectual Epicures) یعنی مسائلِ علمیہ کو حاصل کرنے والا اور اُن سے لذت اندوز ہونے والا ہے، ! فارابی کا یہ ظن مختل ہے کہ ہر کرم کتابی کو وہ عالم سمجھتا ہے، اعمی مشعل دار کو بینا جانتا ہے اور اپنے اس وہم کی تائید میں تعلیل مختل سے کام لیتا ہے ! اس کا یہ کہنا کہ اگر کوئی شخص ارسطو کی کتابوں پر عبور رکھتا ہو لیکن ان پر عمل نہ کرتا ہو، اور کوئی دوسرا شخص بے جانے ہوئے ارسطو کے اصول پر عمل کرتا ہو تو پہلا شخص قابلِ ترجیح ہے، کئی طریقے سے غلط اور خطرناک ہے ! محض علم کو کوئی فضیلت نہیں، جب تک کہ وہ رہبر عمل نہ ہو، اور عمل بھی بغیر علم کے ممکن نہیں، یہ مسئلہ نفسیاتی قانون ہے کہ عمل تابعِ حال ہوتا ہے، اور حال تابع علم و

یقین، عمل ہی سے حال و یقین ظاہر ہوتے ہین اگر کسی شخص کے یقین کا پتہ چلانا ہو تو اس کا عمل دیکھا جانا چاہئے، نہ کہ محض قول، خود اس شخص کو اپنے یقین و علم کی کیفیت بھی اس کے اپنے عمل ہی سے معلوم ہوتی ہے، اور حال قابلِ اعتبار ہو نہ کہ قال، کردار پر تصفیہ ہوتا ہے نہ کہ محض گفتار پر ے

قدم باید اندر طریقت نہ دم	کہ اصلے ندارد دمِ بے قدم

اسی لئے زبان سنت نے ارباب علم کی تعریف یہ کی ہے؛

الذین یعملون بما یعلمون،	یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے علم پر عمل
(رواہ الدارمی)	کرتے ہیں،

اور جو اپنے علم پر عمل نہین کرتے، انھین علیم اللسان اور جاہل القلب" کہا گیا ہے، اور ایسے علم سے پناہ مانگنے کا حکم ہے،: اللّٰھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع،

حکمتِ یونانیان" پڑھتے وقت حکمت ایمانیان" کا یہ اصل اصول یاد رکھو کہ دراصل علم خشیۃ اللہ یعنی خوف خدا کا نام ہے، "لیس العلم بکثرۃ الروایۃ ولکن العلم الخشیۃ" یعنی علم کثرت روایت کا نام نہین بلکہ علم خوفِ خدا ہے،! اسی لئے کہا گیا ہے کہ

اِنَّمَا یَخشَی اللّٰہَ مِن عِبَادِہِ العُلَمَآءُ	خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہین
(پ ۲۲ ع ۱۹)	جو علم رکھتے ہین،!

عالم وہی ہے جو خدا سے ڈرتا ہو اور جاہل وہی ہے جو اس کی نافرمانی کرتا ہے، (مَن خَشِیَ اللّٰہ فَھُوَ عالمٌ و من عصاہ فھو جاھل) اس معنی مین علم قطعاً عمل کو درست کر دیتا ہے، یعنی اس سے نیکی پیدا ہوتی ہے، انسان صالح بن جاتا ہے،! اسی علم کے نتیجہ کے طور پر انسان دنیا مین زہد اختیار کرتا ہے آخرت کی طرف راغب ہوتا ہے، اپنے دین مین بصیرت رکھتا ہے، اور اپنے رب کا عبادت گذار بندہ بن جاتا ہے، وہ اپنے سے بڑے پر حسد نہیں کرتا، اور اپنے سے چھوٹے کا تمسخر نہین کرتا، اور اس علم کی وجہ سے جو اس کو

(معارف)

اللہ نے سکھلایا ہے اس کا مواخذہ نہین ہوتا " (امام حسنؓ) جون جون اس کا علم بڑھتا جاتا ہے حق تعالیٰ کا خوف بڑھتا جاتا ہے، تواضع و انکسار مین زیادتی ہوتی جاتی ہے" (حضرت ابن عمرؓ) اب وہ حق تعالیٰ ہی کے لئے زندہ رہتا ہے، مال و گنج کے لئے نہین، وہ حق تعالیٰ ہی کے لئے جان دیتا ہے، خوف و رنج دنیوی سے نہین ڈرتا اِنَّ صَلَاتِی وَنُسُکِی وَمَحیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ، عارف رومی نے اس مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے،

ہر کجا امر قدم را مسلکے است	زندگی و مردگی پیشش یکیست
بہر یزدان می زید نے بہر گنج	بہر یزدان می میرد نز خوف و رنج
ہست ایمانش برائے خواہِ او	نے برائے جنت و اشجار و جو
ترک کفرش ہم برائے حق بود	نے ز بیم آنکہ در آتش رود
آنگہان خندد کہ او بیند رضا	ہمچو حلوائے شکر او را قضا!

اس طرح علم نافع انسان کو قلب خاشع و نفس قانع کی نعمتون سے بہرہ یاب کر دیتا ہے، اسی کو عبدیت سے تعبیر کیا گیا ہے، اب عبد کو اپنے رب مین مشغولیت حاصل ہو جاتی ہے، اور وہ تمام عالم سے فانی ہو کر باقی بحق ہو جاتا ہے، ماسوی اللہ سے اس کے قلب کا تخلیہ ہو جاتا ہے، اور یافت و شہود حق اس کا عمل ہو جاتا ہے یعنی وہ مخلوقات کو چھوڑ کر خالق مین معلومات کو ترک کر کے عالم مین مصروف ہو جاتا ہے جیسا کہ عارفِ رومی نے کہا ہے،

چون بہ مطلوبت رسیدی اے ملیح	شد طلب کاری علم اکنون قبیح!
چون شدی بر بامہائے آسمان	سرد باشد جستجوے نردبان!

انسان کے لئے یہی عبدیت سعادتِ عظمیٰ ہے، یہی قرب حق کا اعلیٰ ترین مقام ہے، اس کے لئے نفس انسانی کا اپنے قوام کے لئے مادے سے غیر محتاج ہونا ضروری نہین انداس کا غیر مادی جوہر

کے سلسلے مین داخل ہو جانا ضروری ہے، جیسا کہ فارابی کا خیال تھا، اور اس کے ساتھی مشائیہ کا بھی،

سیاسیات[1]

سیاسیات پر فارابی کے خیالات اس کی کتاب مبادی آراء اہل مدینۃ الفاضلہ مین وضاحت سے ملتے ہین، اس کتاب کو فارابی نے ستر سال کی عمر مین لکھا ہے، اس لئے اس مین نہ شاعرانہ قیاس آرائی سے کام لیا گیا ہے، اور نہ یہ اس کی جوانی کے رس بھرے سپنون کی آئینہ دار سمجھی جا سکتی ہے، بلکہ اس کتاب مین کائنات اور حیات انسانی کے متعلق فارابی کے سنجیدہ خیالات و اعتقادات کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے،

فارابی نے اس کتاب کی تصنیف بغداد مین شروع کی، پھر اس کو شام کے سفر مین (۳۳۰ھ) ساتھ لیتا گیا، اور اس کی تکمیل دمشق مین ۳۳۱ھ مین کی، اس کے بعد اس پر نظر ثانی کی، اور اس مین ابواب قائم کئے، ہر موضوع کے لئے ایک نیا باب قائم کیا، اور اس طرح ۳۳۷ھ مین مصر مین تکمیل کو پہنچی،

اس کتاب کے چھ باب ہین، اس مین فارابی نے صرف اجتماع انسانی اور اس کے انواع و شرائط کا تذکرہ نہین کیا ہے، بلکہ واجب الوجود، اور اس کے صفات، حیات، علم و حکمت کا بھی تذکرہ کیا ہے، اور بتلایا ہے کہ اس سے موجودات کا کس طرح ظہور ہوتا ہے، اور آخر مین اجزاے نفس، اور اُن کی وحدت اور جماعت انسانی مین افراد کے ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک و تعاون کی ضرورت پر روشنی ڈالی ہے، پھر مدینۂ فاضلہ اور اس کے اضداد کا ذکر کیا ہے،

لیکن کتاب کا بڑا حصہ سیاسیات کے بجائے الٰہیاتی مباحث سے مختص ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ فارابی کے خیال مین اخلاقیات و سیاسیات کی بنیاد الٰہیات پر قائم ہے، اسی لئے وہ الٰہیات کے مباحث کی تفصیل

[1] اس باب کا سارا مواد فارابی کی آراء اہل مدینۃ الفاضلہ سے ماخوذ ہے، جو اب مصر میں شائع ہو چکی ہے، اس کتاب کے اہم بیانات کا ترجمہ لطفی جمعہ نے اپنی کتاب تاریخ فلاسفۃ الاسلام مین نامو زون عنوانات کے تحت دیا ہے، جس کو ہم نے دار الترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی کے لئے ترجمہ کیا تھا، یہان ہم نے اس سے استفادہ کیا ہو دیکھو ص، د تا ص ۷۳)

سے ذکر کرتا ہے، واجب الوجود، اس سے عقول، افلاک و نفوس افلاک کا صدور، روح، ارادہ، اختیار، سعادت اور وحی کے متعلق تمام بحثین بالاستیعاب پیش کرتا ہے، کیونکہ اس کے نزدیک ان ہی اصول کو صاف طور پر سمجھ لینے کے بعد اجتماع انسانی کی غرض و ماہیت و غایت سمجھ مین آسکتی ہے،

ارسطو نے وضاحت سے بتلایا تھا کہ "انسان اجتماعی حیوان ہے" اور اس سے پہلے افلاطون نے کہا تھا کہ حکومت یا مدنیت کے نشو و نما کا سبب یہ ہے کہ فرد اپنی ضروریات کو اپنی ذات سے پورا کرنے پر قادر نہین، وہ ایک دوسرے کی مدد کا محتاج ہے، جب ہر فرد ایک دوسرے کی مدد کا محتاج ہے، اور ہر فرد کی بہت سی ضرورتین ہوتی ہین، تو یہ لازم ہوا کہ کثیر افراد کا ایک مستقر مین اجتماع ہو، جو آپس مین ایک دوسرے کی مدد کرین، اجتماع کے اس مرکز یا مستقر کا نام شہر یا حکومت یا مملکت (State) ہے، فارابی اپنے اساتذہ کا ہم خیال ہو کر کہتا ہے کہ انسان کی فطرت اجتماع پر ہوئی ہے، ہر انسان بالطبع اعلیٰ کمالات تک پہنچنے کے لئے بہت سی اشیاء کا محتاج ہوتا ہے جو اس کی احتیاجات کی تکمیل کرتی ہین، اس لئے وہ بہ نفسہ اس کمال تک نہین پہنچ سکتا جو اس کی فطرت طبعی کا اقتضا ہے، جب تک کہ ایک کثیر جماعت کا اجتماع نہ ہو جس کا ہر فرد دوسرے کو اشیاء مایحتاج کے حصول اور مرتبہ تک پہنچنے مین مدد دے، اس طرح رفتہ رفتہ افراد انسانیہ مین اضافہ ہوتا گیا، اور سب ایک خطۂ زمین پر آباد ہو گئے، جس سے انسانی جماعتین وجود مین آئین، اُن مین سے بعض جماعتین کامل ہوتی ہین، اور بعض ناقص، فارابی کامل جماعت کی تین قسمین پیش کرتا ہے:

۱- جماعت عظمیٰ: یہ قوم کے اس اجتماع کا نام ہے، جو ایک ہی آبادی مین پایا جاتا ہو، یعنی یہ آبادی کی پوری جماعت کا اجتماع ہے، یہ اجتماع کامل ترین ہے،

۲- جماعت وسطیٰ: یہ آبادی کے ایک جزء کا بحیثیت ایک قوم کے اجتماع ہے،

۳- جماعت صغریٰ: شہریون کے اجتماع کو کہتے ہین، جو کسی قوم کے مسکن کے ایک حصہ مین پایا جاتا ہو،

ناقص جماعت مین (۱) اہل قریہ یا گاؤن والون کے اجتماعات ہین (۲) اس کے بعد اہل محلہ کا

اجتماع ہے (۳) ہر ایک گلی کے باشندون کا (۴) ہر مکان والون کا،

ان سب مین ادنی مکان کا اجتماع ہو' پھر محلہ اور قریہ کا، پھر اہل شہر کا قریہ شہر مین ضم ہوجاتا ہے کیونکہ وہ اس کا خادم ہو' محلہ شہر مین کیونکہ وہ اس کا جزو ہے، اور گلی محلہ کا جزو ہے، اور مکان گلی کا جزو، اور شہر ایک بڑی قوم کے مسکن کا جزو ہے، اور قوم تمام آبادی کا،۔

خیر برتر اور اعلیٰ کمال کا حصول شہر کی پوری آبادی کے اجتماع سے حاصل ہوتا ہے، نہ کہ شہر کے ناقص اجتماع سے، وہ شہر جس کے اجتماع کا مقصد حصول سعادت مین اعانت کرنا ہو، مدنیۃ فاضلہ کہلاتا ہے' اور اس اجتماع کو جس کے ذریعہ سعادت کے حصول مین مدد ملتی ہے اجتماع فاضل کہتے ہین،

وہ قوم جس کے شہر سعادت کے حصول مین مدد دیتے ہین امت فاضلہ کہلاتی ہے،

اسی طرح معمورۂ فاضلہ اس کو کہین گے جس مین ایسی قوم ہو جو سعادت کے حصول مین ایک دوسرے کی معاونت کرے،

فارابی کے نزدیک سعادت کا حصول سارے عالم کے لئے ہوسکتا ہے، بشرطیکہ افراد جماعت اپنے اعمال فاضلہ سے اس کے حصول کے لئے تعاون کرین، یہ اجتماع دنیا کی تمام قومون پر مشتمل ہوسکتا ہے، اس لئے فارابی دنیا کی تمام قومون کو اتحاد و ربط کی دعوت دیتا ہے، اور پوری دنیا کے امن کی امید کرتا ہے، اور پوری دنیا مین اتحاد و اتفاق کا آرزو مند ہے، کیا یہ وہی غایت قصویٰ نہین جس کی طرف بیسوین صدی عیسوی کے بالغ نظر فلسفی اب ہمین دعوت دے رہے ہین؟ افلاطون یا یونان کے دوسرے فلسفیون کی طرح فارابی صرف اتھینیا یا اسپارٹا کے جیسے مخصوص شہرون ہی کے لئے سعادت کو مطلوب نہین سمجھتا، بلکہ وہ تمام دنیا کی قومون کے اتحاد و اتفاق کی فکر کرتا ہے، اور ان کے لئے ایک ہی بادشاہت کا خواب دیکھتا ہے، اس لئے وہ یونان کے ان حکماء سے اس بارے مین بہت زیادہ وسیع النظر ہے، جو سیاسی امور مین یونان کے افق سے آگے نظر نہ دوڑا سکے۔

فارابی کی نظر مین یہ وسعت اسلام کی تعلیم کا نتیجہ ہے، پیغمبر اسلام (روحی فداہ) نے فرمایا تھا،

ربنا و رب کل شئی انا شھید ان العباد کلھم اخوۃ،	اے میرے رب! اور ہر شے کے پالن ہار مین اس امر کی شہادت دیتا ہون کہ اللہ کے بندے سب آپس مین بھائی ہین'

آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ

لا فضل لعربی علی العجمی الا بالتقویٰ"	عرب کو عجمی پر تقویٰ کے سوا فضیلت نہیں!

اور یہ بھی آپ کی تعلیم ہے کہ تقویٰ تمام قومون کو ایک دائرہ مین لا سکتا ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مذہب کا داعیہ جنس و نوع کے داعیہ سے زیادہ وسیع ہے! قلب و نظر کی اس وسعت سے نہ افلاطون ہی کو کچھ حصہ ملا تھا اور نہ ارسطو کو! ع

نگاہ بندۂ مومن قیامت خرد است (اقبال)

فارابی مدینۂ فاضلہ کو انسان کے صحیح و سالم بدن سے تشبیہ دیتا ہے جس مین تمام اعضائے حیوانی زندگی کی تکمیل و تحفظ کے لئے ایک دوسرے کی مدد کرتے رہتے ہین، اسی طرح افراد مدنیت کی تشکیل مین ایک دوسرے کی مدد کرتے ہین، شہر قوم کی تشکیل مین اور اقوام ملک کی تشکیل مین ایک دوسرے کی مدد کرتے ہین' مدینۂ فاضلہ اور جسم انسانی کی باہمی مشابہت کو واضح کرتے ہوئے فارابی کہتا ہے کہ دیکھو: بدن کے اعضا مختلف ہوتے ہین، جو اپنی فطرت اور قوت کے اعتبار سے ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہین، ان مین سے ایک عضو سب کا رئیس ہوتا ہے جس کو قلب کہتے ہین، بعض ایسے اعضا ہین جو اس رئیس کے قریب ہین، اور ان مین سے ہر ایک مین طبعاً ایک قوت ودیعت کی گئی ہو جس کے ذریعہ سے وہ اس کام کو انجام دیتا ہو جو بالطبع اس رئیس کے منشا کے مطابق ہوتا ہے، ان کے علاوہ اور دوسرے اعضا بھی ہین جن مین ایسی

قوتین ہین، جن کے ذریعہ وہ ان اعضاء کے اغراض کی تکمیل کرتے ہین جن کا قلب سے براہ راست تعلق ہوتا ہے، یہ
دوسرے درجہ کے اعضاء ہین، اُن کے بعد ان اعضاء کا درجہ ہے جو تیسرے درجہ کے اعضا کی اغراض کی تکمیل
کرتے ہین، یہان تک کہ ان اعضاء پر انتہا ہوتی ہے جن کا کام صرف خدمت کرنا ہو اور کسی پر حکومت نہین کرتے،

اسی طرح مدینۂ فاضلہ کے بھی مختلف اجزاء ہین، جو فطرت و ہیئت کے اعتبار سے ایک دوسرے
سے مختلف ہین، ان مین سے ایک انسان ایسا ہوتا ہے، جو رئیس کہلاتا ہے، اس کے بعد ان لوگون کا درجہ ہے
جو اس رئیس سے مرتبہ مین قریب ہوتے ہین، اور ان مین سے ہر ایک مین ایک استعداد پائی جاتی ہے جس کے
ذریعہ وہ ان افعال کی تکمیل کرتے ہین جن کو رئیس چاہتا ہے، یہ اعلیٰ مرتبہ کے لوگ ہین، اسکے بعد وہ افراد ہین جو دوسرے مرتبہ
کے لوگون کے اغراض کی تکمیل کرتے ہین، اس سے کم درجے کے وہ لوگ ہین جو اس تیسرے گروہ کے احکام کو بجالاتے
ہین یہانتک کہ ان افراد پر اختتام ہوتا ہے جو اپنے سے برتر لوگون کے اغراض کی تکمیل کرتے ہین، لیکن وہ خود
کسی پر حکومت نہین کرتے،

جسم انسانی اور مملکت کی یہ تشبیہ ظاہر ہے کہ کامل نہین قرار دی جاسکتی، اس لئے فارابی بتلاتا ہے کہ جسم
انسانی کے اعضاء طبعی ہوتے ہین لیکن مملکت کے افراد اگرچہ طبعی نہین لیکن وہ ہیئات و ملکات جن کے ذریعہ وہ اپنے
شہری کاروبار انجام دیتے ہین طبعی نہین، بلکہ ارادی ہوتے ہین، علاوہ ازین اہالیان مملکت کی فطرت مین تفاوت
پایا جاتا ہے، اسی لئے ایک شخص دوسرے شخص کے لئے ایک حیثیت سے تو کارآمد ہو سکتا ہے، لیکن دوسری حیثیت
سے نہین، [illegible] اہالیان مملکت ان ہی مختلف و متفاوت فطرت کے حامل نہین، بلکہ ان مین ملکات ارادی بھی پائے
جاتے ہین، اور ان کے ذریعے وہ مختلف پیشون کا اکتساب کرتے ہین، عضویت مین جو حیثیت اعضا کی ہے وہی
اہالیان مملکت مین ان کے ارادی ملکات و ہیئات کو حاصل ہے،

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ جسم اور مملکت مین مشابہت مطلقہ نہین پائی جاتی، کیونکہ وہ دونون
بعض چیزون مین مشابہ ہین، و بعض مین مختلف، چونکہ فارابی کا مقصد مدینۂ فاضلہ سے حیات اجتماعی کی

تنظیم شخصی حکومت کی شکل پر ہے اور ایسی حکومت مین حکم ایک مستقل حاکم کا چلے گا، جو بغیر کسی کا محکوم ہوئے سب پر
حکمرانی کرے گا، اس لئے وہ پہلے جسم انسانی اور مملکت کا مقابلہ کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ بدن مین عضو رئیس تمام بدن کی
بہ نسبت طبعًا کامل ہے، وہ نہ صرف بذاتہ بلکہ ان تمام امور مین جو اس سے مختص ہین، تمام اعضا مین اشرف ہے……
اسی طرح شہر کا بھی ایک رئیس ہوتا ہے، جو شہر کے تمام اجزاء مین ان تمام امور کے لحاظ سے جو اس کے ساتھ
مختص ہین، افضل ہوتا ہے…… اور جس طرح سب سے پہلے قلب کی تکوین ہوتی ہے، اور وہ تمام اعضائے بدن
کی تخلیق کا سبب ہوتا ہے، اور اسی کے ذریعہ اعضاء کی قوتین نشو و نما پاتی ہین، اور ان کے مراتب مین ترتیب پیدا
ہوتی ہے، چنانچہ جب کسی عضو مین خلل واقع ہوتا ہے، تو اس وقت یہ عضو رئیس اس کے ساتھ تعاون کرتا ہے،
جس سے اس کا خلل دفع ہو جاتا ہے، اسی طرح سب سے پہلے شہر کے رئیس کا تعین ہونا چاہئے، اس کے بعد وہی
شہر اور اس کے اجزاء کی تکوین کا سبب ہوتا ہے، اور اس کے ملکاتِ ارادی (جن سے ان اجزاء کے مراتب
مین ترتیب پیدا ہوتی ہے) کی تحصیل کا ذریعہ ہوتا ہے، اور جب کسی جزو مین خلل واقع ہوتا ہے، تو وہ اس اختلال
کے رفع کرنے مین مدد دیتا ہے، اور جس طرح ان اعضاء کے افعال جو رئیس سے قریب ہین، رئیس اول کی غرض
کی تکمیل کے لحاظ سے بالطبع اعلیٰ و اشرف ہوتے ہین، اور ان کے ماتحت اعضاء سے ایسے افعال صادر کرتے ہین،
جو شرف مین ان سے کمتر ہین، اور بالآخر ان اعضاء پر اختتام ہوتا ہے جن کے افعال ادنیٰ درجہ کے ہوتے ہین،
اسی طرح ان لوگون کے افعال ارادی جن کو رئیس شہر کا تقرب حاصل ہے سب سے بہتر ہوتے ہین، اور جو ان سے
کم مرتبہ ہین، اُن کے افعال بھی شرف کے اعتبار سے کم تر ہوتے ہین، یہانتک کہ ان افراد پر اس کی انتہا ہوتی ہے
جن کے افعال ادنیٰ درجہ کے ہوتے ہین،

اسی طرح شہر مین بھی ہوتا ہے، ہر معمورہ کے اجزاء مین ایک کامل تنظیم اور طبعی ارتباط پایا جاتا ہے، کیونکہ
اس کا ایک رئیس ہوتا ہے، جس کے تمام اجزاء کی وہی حیثیت ہوتی ہے، جو قلب کی بدن مین ہے،

فارابی کہتا ہے کہ یہی حالت تمام موجودات کی ہے، کیونکہ ان مین سبب اول (خدا) کا وہی درجہ ہے جو

مدینۂ فاضلہ کے دوسرے تمام اجزاء مین بادشاہ کا جوش مادے سے منزہ ہوتی ہے، وہ سبب اول سے قریب تر ہوتی ہے، اور ان کے تحت اجسام فلکی ہوتے ہین، اور اجسام فلکی کے تحت اجسام ہیولانی ہوتے ہین، اور یہ سبب سبب اول کی اتباع کرتے ہین، ہر موجود اپنی قوت کے لحاظ سے عمل کرتا ہے لیکن تمام موجودات اپنے مرتبے کے لحاظ سے فوقانی اغراض کی تکمیل کرتے ہین، اس طرح کہ ان مین سے جو سب سے ادنیٰ ہے، وہ اپنے سے اعلیٰ کی غرض کی تکمیل کرتا ہے، اور دوسرا اپنے سے برتر کی.... یہانتک کہ اس موجود پر سلسلہ منتہی ہوتا ہے، جو سبب اول سے براہ راست تعلق رکھتا ہے ......"

مدینۂ فاضلہ مین بھی یہی حالت ہونی چاہئے کیونکہ اس کے تمام افراد کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے افعال مین علی الترتیب رئیس اول کے مقصد کی اتباع کرین؛

حاصل کلام یہ کہ فارابی کی راے مین کامل ترین مدینہ مدینہ اللہ ہے؛ مدینۂ فاضلہ اپنے اجزاء ومراتب کونی کی ترتیب مین مدینۃ اللہ سے مشابہت رکھتا ہے، اسی لئے مدینۂ فاضلہ کی تنظیم نظام وجود سے مشابہ ہونی چاہئے اور رئیس اول کے افعال کے مشابہ اس کے افعال ہونے چاہئیں اس حالت مین سیاسیات بھی مابعد الطبعیات یا الٰہیات کی ایک قسم ہوگی، اور نظام اجتماعی کے لئے لازم ہے کہ وہ نظام کون کے مشابہ ہو، کیونکہ عالم حیوان کبیر ہے جیسا کہ حیوان عالم صغیر،

اور جس طرح جسم حیوانی کو کوئی مرض لگ جائے، تو اس کا مزاج فاسد ہوجاتا ہے، اس کے افعال مشوش ہوجاتے ہین اور اس کے اعضا مین اضطراب پیدا ہوجاتا ہے، اسی طرح شہر مختلف امراض مین مبتلا ہوجاتے ہین، تندرست شہر بیمار پڑجاتا ہے اور "مدینۂ فاضلہ" "مدینۂ ضالہ" بن جاتا ہے، اور اس کے باشندے اچھی چیز کو بری اور بری چیز کو اچھی سمجھنے لگتے ہین،

مدینۂ فاضلہ اور مدینۂ ضالہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے باشندون کے عقائد و اعمال ہی سے پہچانے جاتے ہین، مدینۂ فاضلہ مدینۂ ضالہ، یا مدینۂ جاہلہ، و مدینۂ متبدلہ، و مدینۂ فاسقہ کی ضد ہے، اب ہم ان اضداد مین سے

پہلے "مدینہ جاہلہ" کا ذکر کرتے ہین،

مدینہ جاہلہ وہ شہر ہے جس کے رہنے والے سعادت سے ناواقف ہوتے ہین، اگر انھیں اس کی تبلیغ کی جائے، تو اس کو نہین مانتے، سوائے مادی مفاد جسمانی تمتع، اور حسی لذتون مین انہماک کے وہ کسی برتر و اعلیٰ چیز کی طرف توجہ نہین کرتے، صرف مادی عظمت ہی کے خواہش مند ہوتے ہین جب ان مین سے اُن کو کوئی چیز نہین ملتی، یا وہ بیمار پڑجاتے ہین، تو اس کو اپنی بدبختی سے منسوب کرتے ہین، اہل مدینہ جاہلہ کی کئی قسمیں ہوتی ہین جن مین سے بعض یہ ہین،

(۱) مدینہ ضروریہ، وہ شہر جس کے لوگ کھانے پینے، رہنے کی ضروری ضروری چیزون پر اکتفا کرتے ہین، اُن سے زیادہ ضروری چیزون کے حصول مین باہمی اشتراک عمل و تعاون کو غیر ضروری سمجھتے ہین،

(۲) مدینہ بدالہ: وہ شہر جس کے لوگ ثروت و مکنت کی چوٹی پر پہنچنے کی کوشش تو کرتے ہین، مگر ان کی غایت قصوی صرف یہی زندگی ہوتی ہے،

(۳) مدینہ کرامہ: وہ شہر جس کے باشندے دنیا مین مشہور و ممدوح ہونے کی کوشش کرتے ہین، اور اپنے قول و فعل سے اس کے آرزومند معلوم ہوتے ہین،

(۴) مدینہ خسۃ و شقوۃ: وہ شہر جس کے لوگ صرف لذت محسوس کے پیچھے پڑے رہتے ہین، اور لہو و لعب مین اپنا وقت صرف کرتے ہین،

(۵) مدینۃ التغلب: وہ شہر جس کے لوگ دوسرون پر غلبہ و تفوق حاصل کرنا چاہتے ہین، مگر اس غلبہ کا مقصد صرف لذت ہوتا ہے،

(۶) مدینۃ الجماعۃ: وہ شہر جس کے لوگ آزاد رہنا چاہتے ہین لیکن یہ آزادی قوانین الٰہیہ سے آزادی کے مرادف ہوتی ہے، خواہشات نفس کے وہ غلام ہوتے ہین، اور آزادی کے زعم مین ہر خواہش کی پیروی کرتے ہین اور حلال و حرام مین تمیز نہین کرتے،

۲- مدینۂ فاضلہ کی ایک ضد مدینۂ فاسقہ بھی ہے، یہ وہ شہر ہے جس کے لوگ وہ سب کچھ جانتے ہیں جو مدینۂ فاضلہ کے لوگوں کو جاننا چاہیئے اور اسباب سعادت خدا اور عقل فعال کے احکام پر اعتقاد تو رکھتے ہیں لیکن اپنے افعال و اعمال کے لحاظ سے وہ مدینہ جاہلہ والوں کے افعال کے مانند ہوتے ہیں، زبان سے مدینۂ فاضلہ کے باشندوں کی طرح گفتگو کرتے ہیں، مگر عمل جاہلوں کا ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ علیم اللسان جاہل القلب ہوتے ہیں،

۳- مدینۂ فاضلہ کی ایک اور ضد مدینۂ متبدلہ ہے، یہ وہ شہر ہے جس کے باشندوں کے عقائد و اعمال زمانۂ ماضی میں مدینۂ فاضلہ والوں کے عقائد و اعمال سے مشابہ تھے لیکن بعد میں یہ بدل گئے۔ اور ان کے عقائد فاسد اور اعمال مذموم ہو گئے،

۴- مدینۂ فاضلہ کی ایک اور ضد مدینۂ ضالہ ہے، یہ وہ شہر ہے جس کے لوگ خدا پر اعتقاد تو رکھتے ہیں مگر ان کا یہ اعتقاد فاسد ہوتا ہے، اور ان کا رئیس اعلیٰ گمراہ ہوتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے، حالانکہ وہ وحی سے ایسا ہی دور ہوتا ہے، جیسا آسمان زمین سے! وہ لوگوں کو دھوکا دیتا ہے، اور اپنے اقوال و افعال سے انھیں فریب میں مبتلا کرتا ہے، فارابی کہتا ہے کہ ان شہروں کے بادشاہ ان کا عکس یا ضد ہوتے ہیں، اور ریاست ان کی ریاست کا ضد!

فارابی کہتا ہے کہ "مدن جاہلہ و ضالہ اس وقت پیدا ہوتے ہیں، جب ملت کا مدار بعض قدیم و فاسد آراء پر ہوتا ہے"،

مدن جاہلہ و ضالہ کی اس تفصیل کے بعد فارابی کہتا ہے کہ انسان سعید وہی ہے، جو انسان فاضل ہو، اور مدینۂ سعیدہ وہ ہے جس پر بادشاہ فاضل حکمران ہو، اور ایسے فاضل رئیس کے اوصاف وہ فصاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے،

رئیس حقیقی وہ ہے جو قوم فاضل کا رئیس ہو، تمام آبادی کا رئیس ہو، اس کے اوپر کوئی دوسرا رئیس نہ ہو، وہی سب رئیسوں کا رئیس ہوگا، ہر انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ رئیس ہو، کیونکہ ریاست کے

صفات و شرائط سب انسانوں میں نہیں پائے جاتے، رئیس ایسا ہی انسان ہونا چاہیئے جس میں سارے صفات حسنہ پائے جاتے ہیں، جو تمام کمالات کا جامع ہو، ایسا شخص عقل محض اور معقول بالفعل ہو جاتا ہے، اس کی قوت متخیلہ طبعاً انتہائی کمال کو حاصل کر لیتی ہے، اور اس قوت سے بالطبع اس میں ایک ایسی استعداد پیدا ہوتی ہے کہ وہ بیداری کے وقت یا حالت خواب میں عقل فعال سے جزئیات یا اُن کے نقول اور معقولات کو اُن کے مناسبات و مشابہات کے ساتھ حاصل کر سکتا ہے، اور اس کی عقل منفعل تمام معقولات کو کامل طور پر حاصل کر لیتی ہے، یہان تک کہ کوئی شے باقی نہیں رہتی، اس وقت وہ عقل بالفعل ہو جاتی ہے،

اس طرح وہ انسان جس کی عقل منفعل نے تمام معقولات کو حاصل کر لیا ہے، عقل بالفعل اور معقول بالفعل ہو جاتا ہے۔ ... اس وقت اس کے لئے ایک قسم کی عقل بالفعل حاصل ہو جاتی ہے، جس کا مرتبہ عقل منفعل سے بہت زیادہ کامل ہے، یہ عقل مادے سے بالکل پاک اور عقل فعال سے بہت زیادہ قربت رکھتی ہے، اسی عقل کو "عقل مستفاد" کہتے ہیں اور یہ عقل عقل منفعل اور عقل فعال کے درمیان واسطہ ہوتی ہے لیکن اس کے اور عقل فعال کے درمیان کوئی اور شے نہیں ہوتی پس عقل منفعل عقل مستفاد کا مادہ اور موضوع ہے اور عقل مستفاد عقل فعال کا مادہ اور موضوع اور قوت ناطقہ جو ایک ہیئت طبعی ہے عقل منفعل کا مادہ ہے جو بالفعل عقل ہے،

جب یہ انسان انسانیت کے اس مرتبہ کو پہنچ جائے جس کو "عقل منفعل" "الحاصل بالفعل" کہتے ہیں، تو اس کے اور عقل فعال کے درمیان صرف ایک درجہ باقی رہ جاتا ہے، اور جب ہیئت طبعیہ اس عقل منفعل کا جو عقل بالفعل ہو گئی ہے مادہ بن جاتی ہے، اور عقل منفعل عقل مستفاد کا اور عقل مستفاد عقل فعال کا، اور یہ سب مثل ایک شے کے ہو جاتے ہیں، اس وقت انسان عقل فعال کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے، جب یہ اتحاد انسان کی قوت ناطقہ کے دونوں اجزاء یعنی فطری و عملی کے ساتھ واقع ہوتا ہے، اور اس کی قوت متخیلہ کے ساتھ بھی اس وقت انسان نزول وحی الٰہی کے قابل ہو جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس پر عقل فعال کے ذریعہ وحی نازل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عقل فعال پر جو فیضان ہوتا ہے، اس کو عقل فعال عقل مستفاد کے توسط سے عقل منفعل کی طرف منتقل کر دیتی ہے، اور پھر وہ قوت متخیلہ کی طرف منتقل ہوتی ہے، عقل منفعل پر اس فیضان کی وجہ سے انسان فلسفی یا حکیم کہلاتا ہے،

اگر اس کے بعد یہ فیضان قوتِ متخیلہ پر ہو تو انسان نبی منذر، اور آنے والے واقعات جزئیہ کا خبر دینے والا ہوتا ہے؛ یہ انسان انسانیت کے انتہائی مرتبہ اور سعادت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو جاتا ہے، اور اس کا نفس کامل اور عقلِ فعّال کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے،

انسان کامل ان تمام افعال سے واقف ہو جاتا ہے، جن کے ذریعہ سعادت کا حصول ممکن ہے، یہ رئیس بننے کے لئے سب سے پہلی شرط ہے، علاوہ ازین اس کی بلندیِ تخیل کے لحاظ سے اس کی زبان مین بھی قوت ہونی چاہیے، تاکہ وہ اپنے سارے معلومات کا بخوبی اظہار کر سکے، اور اس مین اس امر کی بھی قدرت ہونی چاہئے کہ وہ سعادت اور ان اعمال کی جو موجبِ سعادت ہین، با احسن وجوہ تلقین کر سکے، اور اس کے بدن مین بھی اتنی کافی طاقت ہونی ضروری ہے کہ وہ اعمالِ خیریہ کی تکمیل کر سکے،

آگے چل کر فارابی رئیس کے اور صفات کا ذکر کرتا ہے:

"رئیس کا سالم الاعضاء ہونا ضروری ہے، اس کو تیز فہم ہونا چاہئے، اس کا حافظہ قوی ہو تاکہ وہ جو کچھ سنتا ہو، دیکھتا ہے یا سوچتا ہے، اس کو یاد رکھے، اس کا ذہن بلند پایہ ہو، ادنیٰ دلیل سے مدلول کو پہچان لے، علم و استفادہ کا دوست ہو، اس کو آسانی سے قبول کرے، تعلیم کی مشکلات سے نہ گھبرائے، اس کے حصول مین جو رنج و تعب اٹھانا پڑتا ہے، اس سے اذیت نہ پائے، کھانے پینے کا لالچی نہ ہو، سچائی اور سچے آدمیون کا دوست ہو، جھوٹ اور جھوٹے آدمیون سے نفرت کرے، بلند حوصلہ اور عالی ہمت ہو، مال و زر کا دیوانہ نہ ہو، دنیوی جاہ و عزت کو حقیر سمجھتا ہو، انصاف پسند ہو، ظلم سے متنفر ہو، مشکلات کے احساس کے باوجود آمادہ عدل ہو، دعوتِ عدل بغیر خوف و لالچ کے قبول کرے، ظلم و جور سے باوجود اُن کے مشکلات کے گھبرا نہ اٹھے، جو کام کرنے کا ہے، اس کو ضرور کرے، قوتِ ارادی مضبوط ہو، جسارت و دلیری سے کام لے، خائف نہ ہو جائے، دل کمزور نہ کرے"؛

فارابی کے رئیس کے ان صفات کا مقابلہ افلاطون کے بیان کردہ ان صفات سے کرو جو اس نے فلسفی کیلئے ضروری سمجھے ہین، وہ لکھتا ہے:-

"حقیقی فلسفی پر لازم ہے کہ وہ حقیقت کا دوست ہو، علمِ موجودات کا شائق اور اسکی طرف راغب ہو، کذب و فریب سے متنفر ہو، لذاتِ جسمانی کی جانب مائل نہ ہو، مال جمع کرنے والا نہ ہو، زہد و قناعت کو اپنا ملجا و ماوا قرار دے، برائی سے دور ہو، موت کے مقابلہ مین دلیر ہے، کینہ، دشمنی اور غرور سے بری ہو، اس کا حوصلہ اور اس کے معلومات بلند ہون، اس کی ذکاوت تیز ہو، آزاد فکر ہو، تیز فہم ہو، انصاف پسند ہو، نرم طبیعت ہو، حافظہ قوی ہو، حسن کو پسند کرتا ہو، آرٹ و موسیقی کا قدر دان ہو"، (غوجیاس)

افلاطون نے سیاست کو فلسفہ کا تابع قرار دیا ہے، اس کی راے مین فلسفی ہی کو حاکم یا رئیس ہونا چاہیئے، فارابی نے رئیس کے جو صفات بیان کئے ہین، وہ افلاطون کے فلسفی کے صفات سے زیادہ مختلف نہین ہین، افلاطون کی راے مین دُول اور حکام کی برائیون اور نوعِ انسانی کی بدبختیون کا اُس وقت تک ازالہ ممکن نہین، جب تک کہ وہ فلاسفہ برسر اقتدار نہ ہون جن کا فلسفہ کامل و صحیح ہو، یعنی جب تک کہ سیاست و فلسفہ کا اجتماع ایک شخصیت مین نہ ہو جائے، ملک کے لئے، بلکہ نبی نوعِ انسان کے لئے سعادت کا حصول ہرگز ممکن نہین"،

(غورجیانس)

فارابی اور افلاطون کی راے ین مین فرق یہ معلوم ہوتا ہے کہ فارابی حکومت کو ایک ہی فرد کے ہاتھ مین دینا چاہتا ہے، اور معمورہ کو ایک ہی رئیس کے گرد جو عقلِ فعّال سے ہدایت و تعلیم حاصل کرتا ہے، جمع کرنا چاہتا ہے، اور افلاطون کا خیال یہ ہے کہ مثالیہ سلطنت فلاسفہ کے ہاتھ مین رہین، اس طرح اس کی جمہوریت اشرافیت (Aristocracy) ہے، لیکن فارابی شخصی حکومت کا قائل ہے، جو ایک ہی فرد مین مرکوز ہوتی ہے،

لیکن زیادہ غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فارابی اور افلاطون کا یہ اختلاف حقیقی نہین کیونکہ فارابی بھی ان تمام صفات کا شخص واحد مین اجتماع نہایت مشکل قرار دیتا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا نہ پایا جائے، جس مین یہ سارے صفات جمع ہون، بلکہ دو ایک افراد پائے جائین، جن مین سے ایک حکیم ہو،

اور دوسرا باقی شرائط کا حامل تو ان دونون کو رئیس بنایا جائے، اور اگر یہ صفات تین چار یا پانچ افراد مین پائے جائین تو یہ سب کے سب رئیس بنائے جائین، اگر کوئی ایسا صاحب حکمت مل نہ سکے جو حکمت کے علاوہ حکومت کو چلانے کا بھی اہل ہو تو بہت جلد اس حکومت پر تباہی آجائے گی"،

اس طرح فارابی افلاطون کی رائے کی طرف رجوع کرتا ہے، جو بہت سے حکما، کی حکومت کو تسلیم کرتا ہے، اب فارابی کی مملکت (State.) شخصی حکومت نہین رہتی، بلکہ فلاسفہ وحکما، کی اشرافیت مین بدل جاتی ہے، بہرحال اتنی بات صاف ہو کہ فارابی چاہتا ہے کہ حاکم یا رئیس ایک ہو، وہ ہی عالم فلسفی وحکیم ہو، مگر جب یہ صفات ایک فرد میں نہ پائے جائین تو اس صورت مین اس کی رائے مین کئی افراد مل کر حکومت کرین اور اسی مین بنی نوع انسان کی نجات ممکن ہے۔

محمد حسن کالج میگزین کا سہیل نمبر

ہندوستان کے نامور شاعر مولوی اقبال احمد خان صاحب سہیل ایم اے ایل ایل بی وکیل اعظم گڈھ کے کلام سے صاحب ذوق طبقہ پوری طرح واقف ہے، مگر افسوس ہو کہ اب تک ان کا مجموعہ شائع نہین ہو سکا تھا، اب محمد حسن انٹر کالج جونپور نے سہیل نمبر کے نام سے اپنے میگزین کا ایک خاص نمبر نکالا ہو جس مین جناب سہیل کا پورا فارسی اور اردو کا کلام مرتب طریقہ سے جمع کر دیا گیا ہے، اس کے شروع مین مولانا سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر ذاکر حسین خان، شاہ معین الدین احمد ندوی، پروفیسر رشید احمد صدیقی، اور پروفیسر آل احمد صاحب سرور کے مقدمے اور تبصرے وغیرہ ہین، اس کی ضخامت ۴۰۰ صفحات اور قیمت چار روپیہ ہے، محمد حسین انٹر کالج جونپور اور دار المصنفین اعظم گڈہ سے ملیگا،

"منیجر"

نقش جمیل پر ایک تنقیدی نظر

از

جناب سید ولی الرحمن صاحب کاکوی

نقش جمیل پروفیسر جمیل مظہری کی نظمون کا مجموعہ ہو جس کو حال ہی مین جناب رضا نقوی نے پٹنہ سے شائع کیا ہے، اس صحیفۂ ادب کی کتابت وطباعت دیدہ زیب ہو، عمدہ کاغذ استعمال کیا گیا ہے، جلد بھی نفیس ہے، مصنف کی تصویر زینت کتاب ہے جس کے نیچے انہی کا یہ شعر خفی قلم سے لکھا ہوا ہے،

شکست رنگ رُخ تو اک فسانہ ہو شباب کا حکایتین ہین اور بھی ورق الٹ کتاب کا

ابتدا مین، "عرض مرتب" اور "مختصر حالات" کے عنوان سے مرتب کی دو تحریرین ہین، جن مین مصنف کے مختصر حالات ہین، اور شاعرانہ بے پروائی کا ذکر ہے، اس مجموعہ مین ۵۰ نظمین ہین، جن کو مرتب نے پانچ ابواب مین تقسیم کیا ہے، (۱) تفکرات وتاثرات (۲) سیاسیات وعمرانیات (۳) رومانیات وشبابیات (۴) متفرقات (۵) باقیات، ہر نظم کا سال تصنیف درج ہے، صفحات کی تعداد ۲۵۶ ہے قیمت پانچ روپیہ ہے، جو یقیناً زیادہ ہے، بعض بعض نظمین نہایت بلند پایہ ہین، مجھے جو نظمین بہت پسند آئین، وہ یہ ہین،

غریبون کی عید، فسانۂ آدم، ہم کون ہین ہم کیا ہین، منزل، نوائے جرس، سرسید احمد خان، صدائے جرس، کہانی، ڈرو خدا سے ڈرو، عشق ناتمام، گاندھی جی،

پروفیسر جمیل مظہری سے میری ملاقات اول اول غالباً دسمبر ۱۹۴۶ء مین مہندرو گھاٹ پر ہوئی جب کہ وہ پٹنہ سے مظفرپور اور مین دربھنگہ جا رہا تھا، نہ مین انھین پہچانتا تھا، نہ وہ مجھے، ایک صاحب نے تعارف کرایا،

صاحب سلامت ہوئی، اور پرخلوص معانقہ بھی، کیونکہ غائبانہ ہم ایک دوسرے کو خوب جانتے تھے، تھوڑی دیر اسٹیمر پر، اور اس کے بعد چند گھنٹے مظفرپور اسٹیشن تک ریل پر ساتھ رہا، شعر و سخن سے متعلق باتین ہوتی رہین، انھون نے شعر سنانے کی فرمایش کی، بیاض میرے ساتھ نہ تھی، اس لئے مجبوری ہوئی، اصرار کے بعد ایک مطلع سنا دیا، وہ یہ ہے :-

جو ہنس ہنس کر پئے جامِ فنا پینا اسی کا ہے
بنا دے موت کو جو زندگی جینا اُسی کا ہے

جمیل مظہری نے اس مطلع کو دہرایا، بہت داد دی، اور کہنے لگے کہ آپ کا یہ مطلع آپ کے استاد (شاد عظیم آبادی) کے اس مطلع سے بڑھ گیا،

نگہ کی برچھیان جو سہ سکے سینا اُسی کا ہے
ہمارا آپ کا جینا نہین جینا اسی کا ہے،

چونکہ مجھے معلوم تھا کہ جمیل مظہری کسی کو اپنا کلام نہین سناتے، اس لئے مین نے فرمایش کی، اور موقع ملنے پر بھی اس لطف سے محروم رہ گیا، دورانِ گفتگو مین نے کہا کہ آپ تو قدرِ اول کے شاعر ہین، اور نظم نگاری کی حیثیت سے تو صوبۂ بہار کی صفِ شعرا مین آپ کو امام کی حیثیت حاصل ہے، انھون نے اظہارِ تشکر کے بعد کہا کہ اگر آپ کا ایسا خیال ہو تو مین اس کی بڑی قدر کرتا ہون،

جمیل مظہری ایک بلند مرتبت شاعر ہین، ملک مین شاعر کی حیثیت سے ان کا نام روشن ہو چکا ہے، وہ غزلین بھی لکھتے ہین اور قصیدے بھی، مرثیے بھی، اور رباعیان بھی، ان کی غزلون کا مجموعہ اب تک شائع نہین ہوا ہے، لیکن مختلف رسالون مین کچھ غزلین مین نے دیکھی ہین، میرا خیال ہے کہ اُن کی غزلون مین تغزل کا عنصر بہت کم ہے، اور مفکرانہ انداز غالب ہے، لیکن عجیب بات ہو کہ ان کی نظمون مین ہر جگہ تغزل کے عنصر کی کارفرمائی ہے، نظم نگاری مین انھین بہار کے شعرا مین خاص امتیاز حاصل ہے، ان کی ذہنیت فلسفیانہ اور رجحان طبیعت مفکرانہ ہے، اُن کے اندازِ بیان مین قوت و شوکت ہے، الفاظ مین شیرینی، شادابی، حلاوت اور گھلاوٹ ہے، وہ ایک خوش فکر و خوشگو شاعر ہین، اُن کے خیالات مین پختگی و متانت ہے، طرزِ ادا مین روانی و شگفتگی ہے، جذبات مین اصلیت و صداقت ہے،

ذوقِ سخن بلند ہے، اُن کا احساس تیز و شدید ہے، تجربات وسیع و ہمہ گیر ہین، لب و لہجہ شاعرانہ و عاشقانہ ہے، داخلیت و خارجیت مین ہم آہنگی ہے، طرزِ ادا مین دلکشی و سنجیدگی ہے، یہ وہ خصوصیات ہین، جو ایک شاعر کی کامیابی کی ضامن ہین، جمیل مظہری ترقی پسند شاعر ہین، لیکن اُن کی شاعری حدودِ فن کے اندر سانس لیتی ہے، اُن کے کلام مین روایتی خیالات بھی ہین، لیکن ان مین جدت اور تازگی پائی جاتی ہے، اور انفرادیت نمایان ہے،

عرب کی شاعری حقیقت سے ہم آہنگ تھی، کیونکہ وہان ہر شاعر نہ صرف عاشق مزاج بلکہ عملاً قیس و فرہاد تھا، ہر شاعر کا دل کسی لیلیٰ یا عذرا یا سلمیٰ کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر تھا، وہ جو کچھ کہتا تھا، آپ بیتی کہتا تھا، ایرانی شعرا کا معاملہ اس کے برعکس تھا، عرب کی شاعری کے برخلاف ایران کی شاعری فطرت کے مطابق نہ تھی، کیونکہ وہان مرد عورت سے عشق کرتا تھا، تو یہان مرد امرد سے، اس غیر فطری روش نے ایرانی شاعری کو کافی مجروح کر دیا، ایرانی محبوب اکثر بازاری اور ہرجائی ہوتا تھا، لیکن عرب کی محبوبہ پردہ نشین اور عفت مآب ہوتی تھی، ایران کا محبوب ظالم، بیرحم، سفاک اور قاتل ہوتا تھا، عرب کی محبوبہ اپنے شیدا سے خود بھی محبت کرتی تھی، اسی لئے عرب کی عاشقانہ شاعری ایران کی عاشقانہ شاعری سے زیادہ فطری، مؤثر اور پرجوش ہے، ہان صوفیانہ خیالات نے البتہ ایرانی شاعری کو بہت بلند کر دیا، اور اس لحاظ سے عرب کی شاعری اس کا مقابلہ نہین کر سکتی، اردو شاعری فارسی شاعری کے نقشِ قدم پر چلی، اور اُس نے ایرانی خیالات کی تقلید کی، اُس نے فارسی شاعری سے امرد پرستی بھی وراثت مین پائی، یہان بھی وہی غیر فطری مضامین غزل مین داخل ہو گئے، اردو مین ایسے شعرا کی فہرست بہت مختصر ہے، جو واقعی عشق و محبت کے کوچے سے گذرے تھے، مثلاً میر، مصحفی، جرأت، آتش، مومن، غالب، داغ، حسرت، لیکن ان مین سے اکثر کے عشقیہ افسانے روایتی خیالات کے حجاب مین گم ہین، اور اصلی خط و خال نظر نہین آتے، اس کے برخلاف جمیل مظہری نے عاشقانہ نظمون مین اپنی حیاتِ معاشقہ دل کھول کر بیان کی ہے، "نالۂ سحر"، "یہ کیا ہوا تم کو کہتے ہین اسی کو کیا محبت"، "ڈرو خدا سے ڈرو"، "کہانی"، "سلامِ ماضی"، "اسے بھول جا یا دلا دے"، "عشقِ ناتمام"، یہ سب نظمین اس حقیقت کی غمازی کرتی ہین،

جمیل مظہری کی شاعری اور عاشقانہ زندگی غالبًا ساتھ ساتھ شروع ہوئی، ابتدا ہی سے اُن کے دل پر عشق کا چرکا لگ چکا تھا، اور ان کا دل مرغِ بسمل ہو چکا تھا، اُن کا عشق کامیاب بھی تھا، وہ ناکامیاب بھی، محبت کا جواب محبت سے مل چکا تھا ع

دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی

لیکن سوسائٹی کی رسم و راہ کی قید اور زمانہ کی ستم ظریفی سے دونوں ایک دوسرے سے وابستہ نہ ہو سکے، اور کامرانی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا، اس ناکامی نے دونوں کو دل شکستہ کر دیا، جمیل کی عاشقانہ نظمیں اسی ٹیس اور تڑپ کی غمازی کرتی ہیں، اُن کی عاشقانہ نظموں کے اشعار اشعار نہیں ہیں، بلکہ ربابِ شکستہ کے پرسوز نغمے ہیں،

"نقشِ جمیل" میں صرف شباب کا فسانہ ہی نہیں، بلکہ اور بھی "حکایتیں" ہیں، یعنی عاشقانہ نظموں کے علاوہ سیاسی، سماجی، اخلاقی، انقلابی، ہنگامی اور مفکرانہ نظمیں بھی ہیں، ان تمام نظموں میں اُن کے ذہنی رجحانات کے نقوش موجود ہیں، اور ہر جگہ اُن کی انفرادیت نمایاں ہے، اُن کے ہاں "غمِ عشق" اور "غمِ روزگار" دوش بدوش ہیں، کیونکہ وہ اس حقیقت کے قائل ہیں کہ

ع اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا

کسی شاعر کا کلام خواہ وہ کتنا ہی بلند پایہ ہو خامیوں سے تمام تر پاک نہیں رہ سکتا، جمیل مظہری بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، نیاز صاحب فتحپوری نے نقشِ جمیل پر نگار میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ جناب جمیل مظہری ملک کے ان چند مخصوص شعراء میں سے ہیں، جو اردو شاعری میں اس وقت نہ صرف استادانہ بلکہ مرشدانہ حیثیت رکھتے ہیں، اور جن کی شاعری ایک مستقل دبستان کی حیثیت رکھتی ہے، آیئے اس آئینہ خانے میں جمیل مظہری کی شاعری کے خط و خال کا مطالعہ کر کے دیکھا جائے کہ اس استاد و مرشد کے کلام میں بھی زبان و بیان کی کچھ خامیاں ہیں یا نہیں،

(۱) ص ۱۶:- مصرعے "ہیں شکن میں حجاباتِ ناز کی" "شکن نہیں" "شکنیں" چاہیے،

(۲) ص ۱۹:-

فلسفیوں نے اسے جنبش مجبور کہا ۔۔۔ فلسفوں پر متبسم رہی حکمت اس کی

"فلسفیوں" میں یائے مشدد کا استعمال محلِ نظر ہے، فلسفہ کو بہ صیغۂ جمع لانا بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا،

(۳) ص ۱۹:-

اپنا محرابِ حرم اک خمِ ابرو ہے جمیل ۔۔۔ ہم اسی طرح سے کرتے ہیں عبادت اسکی

محراب بالاتفاق مؤنث ہے، "اپنا" کی جگہ اپنی لکھ سکتے تھے، "اسی طرح سے" اس ٹکڑے میں "سے" زائد ہے، گو کہ ذوق، غالب، مومن، اور داغ نے بھی کہیں کہیں یونہی استعمال کیا ہے، جمیل مظہری کی زبان پر سے بہت چڑھا ہوا ہے، اور نقشِ جمیل میں ہر جگہ یوں ہی استعمال کیا گیا ہے، ایک آدھ جگہ بغیر "سے" کے بھی ہو شملا

ع کسی طرح بھی تمھاری میں ہو نہیں سکتی،

دوسرا مصرع یوں ہو سکتا تھا :-

ع ہم تو کرتے ہیں اسی طرح عبادت اسکی

(۴) ص ۲۱:- فطرت کا سکونِ مضطرب دیکھ ۔۔۔ ساری چیزیں مچل رہی ہیں

"سکونِ مضطرب"؟ اضطراب اور سکون دونوں توام؟ اضطراب سکون کی ضد ہے، سکون کو مضطرب کیونکر کہا جا سکتا ہے، "ساری چیزیں" کی جگہ سب چیزیں زیادہ صحیح ہے، کیونکہ سب اور سارا کے محلِ استعمال میں فرق ہے، سب کا اطلاق مجموعۂ افراد پر ہوتا ہے، اور "سارا" کا فرد واحد کے کل پر، اکثر شعراء اس فرق کو نہیں سمجھتے، اور اُن سے چوک ہو جاتی ہے،

(۵) ص ۲۳: سرکا کے حجابِ روئے معنی ۔۔۔ فطرت کو بے نقاب کر دے

"حجاب" سرکانے کی چیز نہیں، نقاب سرکائی جاتی ہے، بہتر ہوتا کہ پہلے مصرع میں حجاب کی جگہ نقاب اور دوسرے میں نقاب کی جگہ حجاب استعمال ہوتا؛

(۶) ص ۲۹: اٹھا کے دکھ دیا اس خرقۂ گدائی کو — فریب دے نہ سکا ذوقِ خودنمائی کو،

"دیا" کا الف دب جاتا ہے، یہ عیب مٹ جاتا، اگر "رکھ دیا اس" کی جگہ "پھینک دیا" کہا جاتا،

(۷) ص ۳۰۔ ع وہ اک نظر کہ جو تھی شکوہ سنجِ ذوقِ نگاہ

"کہ" کے ساتھ "جو" کا لفظ محض حشو ہے، اس کی مثالیں نقشِ جمیل مین بکثرت ہین،

(۸) ص ۳۵: ع کبھی جگا دی قیامت نفس کی ٹھوکر سے"

قیامت جگانا کوئی محاورہ نہین "جگا دی" کی جگہ "اٹھا دی" صحیح زبان ہی،

(۹) ۳۷: ع خود ایک لطیف موسیقی ہے،

اس مصرع مین لفظ موسیقی کی یاے اول محذوف کر دی گئی ہے، اور یہ لفظ "موسقی" بر کردہ گیا ہے صحیح لفظ "موسیقی" ہے، الفاظ مین شاعرانہ تصرف ہرگز جائز نہین، اس کتاب مین متعدد جگہ موسیقی کو موسقی استعمال کیا گیا ہی،

(۱۰) ص ۳۹: ہر ضرب مین ہر فتادگی مین — ہر وصل مین ہر شکستگی مین،

فتادگی اور شکستگی صحیح قافیے نہین، اس مین ایطا ہے جو بہت معیوب ہے،

(۱۱) " " ع: نغمون کے سوا نہین خلا مین

بیان واضح نہین، لفظ "سوا" کے بعد "کچھ" کی ضرورت تھی، اس مصرع کی صحیح نثر یہ ہوگی "نغمون کے سوا خلا مین کچھ نہین"؛

(۱۲) ص ۴۲: نغمون سے جمود میں ہے حرکت — حرکت پہ جمود کی ہے حالت

لفظ حرکت بہ سکون را صحیح نہین، صحیح لفظ حرکت بہ فتح را ہے، غالب ؎

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے — پرتو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہی

(۱۳) ص ۴۴: ع گوہر اشک بیکسان جیب شعور میں مری

گوہر اشک دامن مین ہوتے ہین نہ کہ جیب مین جس کے معنی گریبان اور پاکٹ کے ہین؛

(۱۴) ص ۴۵: ع تیرے لئے خدا کا بھید کوے بتان کے واردات

واردات مونث ہے،

(۱۵) ص ۴۷:

اک غنچۂ رنگین ہین۔ جو بزمِ عناصر مین — کھلنے کی تمنا ہو اور کھل بھی نہ سکتا ہو

"کھلنے کی تمنا ہو" کی جگہ "کھلنے کی تمنا رکھتا ہو" صحیح زبان ہے،

(۱۶) ص ۴۸: یا سطح پہ دریا کے ..... جبر رحم پہ موجون کی،

سطح مونث ہے، اور رحم مذکر، مگر شاعر نے اس کے برخلاف استعمال کیا ہے،

(۱۷) ص ۵۲: ع دیکھ کے کر و فر دولت کا ترا جی للچائے،

یہان کر و فر بر وزن مفعولن استعمال کیا گیا ہی حالانکہ صحیح تلفظ بر وزن فاعلن ہی،

(۱۸) ص ۵۵: ع نظر کے سامنے ہے اب جنان کی آبادی

تنہا لفظِ "جنان" کا استعمال ترکیب اضافی کے بغیر اردو مین اچھا نہین معلوم ہوتا،

(۱۹) ص ۶۵:

سلام موجِ گنگ بو مجاہدانِ حریت — ہین گلفشان بہشت سے پیمبرانِ حریت

مجاہدان اور پیمبران مستحسن قافیے نہین، ایطا کا عیب پیدا ہو گیا ہے، دونون الفاظ مین الف اور نون مشترک ہین، جن کو ہٹانے کے بعد مجاہد اور پیمبر کے الفاظ باقی رہتے ہین، جو ہرگز ہم قافیہ نہین، بہت سے شعراے حال اس کی پروا نہین کرتے، جوش کے ہان اس کی مثالین بکثرت ہین،

(۲۰) ص ۶۸: ع درائے کاروان ہون مین درائے کاروان سنو

درا کے معنی جرس (گھنٹی) کے ہین، گھنٹی نہین سنی جاتی اُس کی آواز سنی جاتی ہے:

(۲۱) ص ۷۱: ع پھر اس طرح پہ ہوس کی ہے گرم بازاری

اس طرح پڑھا۔ صحیح زبان نہین، ذرا سی ترمیم سے مصرع بہتر ہو سکتا تھا، مثلاً

ع : ہوس کی آج کل ایسی ہو گرم بازاری

(۲۲) ص ۲، :- ع : مزاجِ تیرِ فرگان کو خرد آشوب تر کرنا،

"خرد آشوب تر" کی ترکیب نامانوس ہے، بلکہ صحیح بھی نہین ہو۔ "تر" کا لفظ محض حشو اور برائے قافیہ ہو،

(۲۳) ص ۳، :- ع : کہ حیرت چھوڑ دے ہر کام کا دشوار تر کرنا،

یہان "کرنا" کوئی معنی نہین پیدا کرتا، اس کی جگہ کہنا یا سمجھنا ہونا چاہئے،

(۲۴) ص ۳ : تو اے نخلِ چمن نکہت فشانی گل بدامانی | ہو تجھ پر فرض اپنی نکہتون کو منتشر کرنا

"نکہت فشانی گل بدامانی" یعنی "نکہت فشان ہستی گل بداماں ہستی" پہلا مصرع بالکل فارسی ہے اور سادگی سے دور، دوسرے مصرع مین نکہتون بصیغۂ جمع استعمال ہوا ہے، صرف نکہت کافی تھا، علاوہ برین جب نخلِ چمن نکہت فشان اور گل بداماں ہو تو اس کا فرض نکہت بیزی کے ساتھ گل بیزی بھی ہے، جس کا دوسرے مصرع مین کوئی ذکر نہین، سودا نے کہا ہے،

گل پھینکے ہے اورون کی طرح بلکہ ثمر بھی | اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

(۲۵) ص ۴، :- ع جگاتا ٹھوکرون سے محشرِ افسونِ بے خوابی

محشر جگانا کوئی محاورہ نہین، حشر اٹھانا یا قیامت اٹھانا محاورہ ہے، محشر برپا ہونا کہہ سکتے ہین، شاید جگانے کا لفظ بیخوابی کی رعایت سے لایا گیا ہے، بہرحال محاورے کے خلاف ہے،

(۲۶) ص ۵، : فضائے ہند پہ چھائی تھی اک افسردگی ہر سو | بلاؤن کی طرح منڈلا رہی تھی تیرگی ہر سو

افسردگی اور تیرگی کے قافیون مین ایطا کا عیب موجود ہے،

(۲۷) ص ۵، : وہ تارا جس کی تابش سے طلوعِ شمس کا دھوکا | وہ تارا جس کی تابش سے نظر آنے لگا رستہ

پہلے مصرع مین "سے" کی جگہ "پہ" چاہئے، دونون مصرعون مین تابش کی تکرار بے مزہ ہے، دوسرے مصرع مین "جس کی تابش سے" کی جگہ "نور سے جس کے" ہو سکتا تھا،

(۲۸) ص ۷، ع وہ تارا جس کو کہئے سید مرحوم احمد خان

"سید مرحوم احمد خان" عجیب گنجلک ترکیب ہے، یون کہتے،

ع وہ تارا جس کو کہئے ڈاکٹر سر سید احمد خان

اس سے پورا نام ڈگری اور خطاب کے ساتھ آجاتا ہے،

(۲۹) ص ۸، ع اذان سوتی ہوئی بستی مین دی اٹھکر سویرے سے

"سویرے کے بعد "سے" کا لفظ محض حشو اور خلاف محاورہ ہے، جمیل مظہری نے کئی جگہ یون ہی استعمال کیا ہو"

(۳۰) ص ۱۱ سب کی ماتا ہے ہماری ماتا | پیاری ماتا پیاری ماتا

پہلا مصرع ناموزون ہو، اگر کاتب کی غلطی سے "ہے" کا اضافہ ہو گیا ہے، تو پہلا مصرع یون ہوگا [ف۱]

ع سب کی ماتا ہماری ماتا،

ایسی حالت مین بھی ماتا کا الف بری طرح دب جاتا ہے،

(۳۱) ص ۱۱ : چھینٹون سے تیرے بادل کے | سایے مین تیرے آنچل کے،

چھینٹ مونث ہے، اس لئے پہلے مصرع کی ردیف صحیح نہین، اس سلسلے مین ایک نکتہ بیان کر دینا چاہتا ہون، فارسی مین مضاف پہلے آتا ہے، اور مضاف الیہ پیچھے، جیسے غلام زید، لیکن اردو مین اس کے برعکس، جیسے زید کا غلام، آتش کی ایک غزل کا مطلع ہے،

معرفت مین تیری ذاتِ پاک کے | اڑتے ہین ہوش و حواس ادراک کے

ذات مونث ہو اس لئے "ذات پاک کی" ہونا چاہئے، لیکن آتش نے برعکس استعمال کیا ہے، جناب حمید عظیم آبادی سے بی ان کالج کے ایک مشاعرہ مین ۱۹۳۶ء مین مین نے اس شعر کا ذکر کیا تو انھون نے بے تامل پہلے مصرع

[ف۱] معترض کا اعتراض غلط ہے، شعر مین چھینٹ کی جمع نہین بلکہ چھینٹا کی جمع ہو جو مذکر ہو بادل کی چھینٹ نہین بلکہ چھینٹا ہوتا ہو، "ادم"

کی ردیف کو غلط کہدیا، مگر میرا خیال تھا کہ اس مین کوئی نکتہ ضرور ہے، ورنہ آتش صرف اضافت کو مؤنث کی جگہ مذکر ہر گز نہ استعمال کرتے، دسمبر ۱۹۵۱ء کے "نگار" مین "ادب الکاتب والشاعر" کے عنوان سے نظم طباطبائی کے افادات شائع ہوئے ہین، جس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ قلب ترکیب کی حالت مین دونون طرح جائز ہے، اور مثال مین آتش کے مذکورہ بالا شعر کے علاوہ میر انیس، اور برق کے مصرعے پیش کئے گئے ہین،

میر :- ع آنکھون مین ہین حقیر جس رتن کے

انیس :- ع میدان مین تھا حشر بپا چال سے اُس کے

برق ” داڑھی مین لال تھے اس بد نہاد کے،

لیکن ایسی مثالین اردو مین بہت کم ہین،

(۳۲) ص ۸۸ ع جلتا ہے ہمارے دل کا دیا دنیا کی سبھا اجیالی ہے،

اجالی کی جگہ اجیالی استعمال کرنے کی وجہ سمجھ مین نہین آتی، اس کتاب مین اکثر جگہ "اجیالی" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، ہندی گیتون مین البتہ اجیالی کا لفظ مستعمل ہے لیکن یہ نظم "مزدور کی بانسری" ہے ہندی گیت نہین ہے، شاید وزن شعر کی وجہ سے شاعر کو مجبوری ہوئی،

(۳۳) ص ۸۹ :-

اک عمر ترستے ہی گذری بچپن مین کھلونے کو ترسے
کھایا مٹی کے برتن مین سوئے تو بچھونے کو ترسے

بچھونے اور کھلونے ہم قافیہ الفاظ نہین، کیونکہ "بچھونے" مین "چھ" مضموم ہے، اور "کھلونے" مین لام مفتوح ہے،

(۳۴) ص ۹۱ ع جو وقت گذرنے والا ہے دل اُس کی آہٹ[1] لیتا ہے،

آہٹ لینا کوئی محاورہ نہین، محاورے مین تصرف جائز نہین، آہٹ پانا محاورہ ہے :

(۳۵) ص ۹۶ ع تہذیب گریبان پھاڑ کے ہے، شیطان بچھاڑین کھاتا ہے،

[1] اعتراض غلط ہے آہٹ لینا اور آہٹ پانا دونون محاورہ ہے، "م"

پچھاڑے ہے، بہت پرانی اور متروک زبان ہے، جمیل مظہری کو اس سے احتیاط کرنا تھی،

(۳۶) ص ۹۰ - ع : حکمت کے شفاخانون مین گئی معجون سیاست بنوایا،

معجون مؤنث ہے مذکر نہین، حاشیہ مین نوٹ ہے کہ بہار مین معجون کو مذکر بولتے ہین، اس لئے شاعر نے قصداً ایسا ہی باندھا ہے، یہ محض زبردستی، اور ستم ظریفی ہے، بہار کے کسی مستند شاعر کی سند عنایت ہو،

(۳۷) ص ۹۹ ع : انسان پرستی بھی ہوگی ایمان فروشی بھی ہوگی،

نون کا اعلان "انسان پرستی" اور ایمان فروشی مین جائز نہین، ممتاز شعراء سے ایسی لغزش نہین ہونی چاہئے،

(۳۸) ص ۱۰۱ ع : کچھ بھیگی بھیگی رہتی ہین، پچھلے سے فضائین صحرا کی،

پچھلے پہر ہونا چاہئے،

(۳۹) ص ۱۰۲، ع پھنکتا ہے صور قیامت کا اچٹی ہے نیند زمانے کی،

"اچٹی ہے" کی جگہ "اچٹتی ہے" ہونا چاہئے، کیونکہ اس سے "پھنکتا ہے" کا توازن قائم رہتا،

(۴۰) ص ۱۰۳ ع دکھیا ماؤن کے نالے بھی بھوکے بچّون کا شیون بھی، ماؤن بروزن فعلن استعمال ہوا ہے، جو غیر فصیح ہے، بروزن فاع چاہئے،

(۴۱) ص ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۲۹، ۱۸۵،

بڑھائے جاؤ زندگی کی وسعتین بڑھے چلو
گرائے جاؤ ممکنات کی حدین بڑھے چلو،

ہو ناز اپنے رنگ مین نیاز اپنی وضع پر
لے چکور چاند سے گرے پتنگ شمع پر

گرد افلاس سے دھوئے ہوئے چہرون کی قسم
جن کو کاجل نہین ملتا ہے ان آنکھون کی قسم

وہ زندگی عجیب تھی نہ ہجر تھا نہ وصل تھا
کہ دونون کا مسئلہ نزاع عشق و عقل تھا

وسعتین اور حدین، وضع، اور شمع، چہرون اور آنکھون، وصل اور عقل ہر گز صحیح قافیے نہین، پہلے اور تیسرے شعرون کے قافیون مین ایطا کا عیب موجود ہے، اور دوسرے اور چوتھے شعرون مین ہم قافیہ الفاظ نہین،

(۴۲) ص ۱۱۰ ع ہر کرسی اک تخت ہے جس مین ہر حاکم اک شاہ

مین کی جگہ پر چاہیے،

(۴۳) ص ۱۱۴

وقت وہ ہے کہ چھلکتا ہے صبوے فردو٘ وقت وہ ہے کہ سلگتا ہے تنورِ دہقان

صبو صاد کے ساتھ کوئی لفظ نہین، غالبًا سبو کی جگہ کاتب نے صبو لکھدیا، صحیح لفظ تنو٘ر ہے جس مین نون مشدد ہے، بےحرکت نون صحیح نہین، قرآن پاک مین ہے، "فار التنو٘ر"

جمیل مظہری نے اکثر جگہ تنو٘ر کو تنو٘ر استعمال کیا ہے، تنو٘ر بروزن فعو٘ل ہے، نہ کہ بروزن فعول،

(۴۴) ص ۱۱۴ ع وقت وہ ہے کہ چمکتا ہے عصاے عمران

حضرت موسیٰؑ کے پاس عصا تھا، نہ کہ ان کے والد عمران کے پاس، عصاے موسوی کی جگہ عصاے عمران بےمعنی ہے،

(۴۵) ص ۱۱۴

جس کی اک موج سے مزدور کے قدمون پہ گرا تاج فغفوری و محراب رواقِ سلطان

"گرا" کی جگہ "گرے" چاہیے، تاج مذکر ہے مگر محراب مؤنث ہی اور جہان مذکر اور مونث کا اجتماع ہو وہان فعل بصیغہ جمع لانا صحیح زبان ہی،

(۴۶) ص ۱۲۲ ع اور چیٹے پہ صدیون کے روایات کا انبار

روایات مؤنث ہے،

(۴۷) ص ۱۲۴ ع افلاس کا نوحہ ہے بغاوت کا گھٹا راگ

"بغاوت کا گھٹا راگ" اس فقرے کے کیا معنی ہوے مین نہین سمجھا،

(۴۸) ص ۱۲۸ ع نوحہ خوان آج نہ کس طرح ہون آزادی کے

"کس طرح ہون" مین حاے حطی اور ہاے ہوز کے اختلاط نے تنافر پیدا کر دیا، اس کے علاوہ "کس طرح" کی جگہ "کیون" ہونا چاہیے، یہ مصرع یون ہوتا،

ع نوحہ خوان آج وہی کیون نہ ہو آزادی کے

(۴۹) ص ۱۴۱

فلک نے بعد شوق شبنم کے موتی عروسِ سحر پہ نچھاور اتارے،

نچھاور کرنا محاورہ ہے، نچھاور اتارنا نہین صدقہ اتارنا البتہ ہے،

(۵۰) ص ۱۴۵

سلجھائی ہوئی زلفین ہین شانۂ عریان پہ یا شام کی تاریکی دیوارِ گلستان پہ

"سلجھائی ہوئی" سے "بکھرائی ہوئی" یا "لہراتی ہوئی" کہین بہتر تھا، زلف کے بکھرنے یا لہرانے سے تاریکی کا مفہوم زیادہ مکمل ہو جاتا،

(۵۱) ص ۱۴۹ ع گر وہ جنت نگاہ وادیِ بہار کا مستقل وطن تھا

"جنت نگاہ" مین فکِ اضافت کا عیب ہے، جنتِ نگاہ صحیح ہے ؎

ع یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے (غالبؔ)

وادی مؤنث ہے اور اس مصرع کا فاعل بھی وہی ہے، اس لئے "تھا" کی جگہ "تھی" ہونا چاہیے "وادی" مبتدا ہے، اور اس کی خبر "وطن" ہے فعل کو مبتدا کے تابع ہونا چاہئے، نہ کہ خبر کے، مثال مین غالبؔ کا یہ مصرع حاضر ہے

ع ہر گلِ تر ایک چشمِ خون فشان ہو جائے گا،

(۵۲) ص ۱۵۰ " کہ صبح کی سانولی حسینہ نہا رہی تھی نکھر رہی تھی

ص ۱۵۱ " طلائی افشان چنی جبین پر بیچ دوشیزۂ سحر نے،

صبح مین صباحت ہوتی ہے نہ کہ ملاحت، دوشیزۂ سحر کو سانولی یا بیچ کہنا صحیح نہین،

(۵۳) ص ۱۵۲ ع ستار رکھا اٹھائی گگری ندی کنارے چلی نہانے

صحیح لفظ ندّی بہ تشدید دال ہے،

انیس :- ع ندی ادھر اک خون کی ابلتی ہوئی آئی،

جمیل مظہری ندی کو اکثر ندی لکھتے ہیں،

صفحہ ۱۵۳ (۵۴) سامنے آئینہ ہے محو خود آرائی ہیں خود تماشا بھی ہیں اور خود ہی تماشائی ہیں

صحیح زبان یہ ہے، ع خود تماشا بھی ہیں اور خود ہی تماشائی بھی

ردیف نے شاعر کو مجبور کر دیا،

صفحہ ۱۶۱ (۵۵) عشق معصوم کے وہ غیر شعوری اقدام یعنی رخساروں پہ رخساروں کا رکھا ہونا

رخسار کے معنی گال کے ہیں، مضحک تصویر ہے، اور نہ صرف مستبعد بلکہ غیر ممکن، کیونکہ عاشق کے دونوں رخسار بیک وقت محبوب کے دونوں رخساروں پر نہیں رکھے جا سکتے، دونوں جگہ رخسار بصیغۂ واحد استعمال کرنا تھا،

(۵۶) ص ۱۶۴ ع بہ اک لطفِ نظر اس کو پریشان کر دیا تم نے

"بہ اک نہیں بلکہ بیک" ہونا چاہئے، ممکن ہے کتابت کی غلطی ہو،

(۵۷) ص ۱۷۷ ع نہ یوں دوانہ بناؤ ڈرو خدا سے ڈرو

صحیح لفظ دیوانہ ہے مگر قدما دوانہ بھی استعمال کرتے تھے، مجھے اس پر اعتراض نہیں کہ متروک لفظ استعمال ہوا، لیکن یہ شعر عورت (عذرا) کی زبان سے ادا ہوا ہے، اس لئے دوانہ کی جگہ دوانی کا استعمال بہتر تھا،

میر ؎ ع جوانی دوانی تو مشہور ہے،

(۵۸) ص ۱۷۵ ع کنوارے پن کے پرارمان خواب کی میت

پرارمان کی ترکیب میں اخفائے نون ضروری ہے، اعلان نون صحیح نہیں، مگر ماشعرا ایسی معمولی غلطیوں سے بچتے ہیں،

(۵۹) ص ۱۸۰: سنگار میز کو حیران دیکھتا ہوں جو اس آئینے کا تحیر سلام کہتا ہے،

مصرع اول کمزور اور گنجلک ہے، مصرع کے آخر میں "جو" کا لفظ بالکل بے موقع استعمال ہوا ہے، اور بری طرح کھٹک رہا ہے، یوں کہتے :- ع سنگار میز کو حیران دیکھکر ہیہم،

(۶۰) ص ۱۹۱ ع مبارک ہو کہ تم اللہ کی پیاری ہوئیں بیٹیا

اللہ کو پیاری ہوئیں کہنا تھا، صحیح زبان و محاورہ یہی ہے،

(۶۱) ص ۱۹۳ ع جا کے یورپ میں کرو نام بڑھے شانِ وطن

نام کرنا صحیح محاورہ نہیں، نام پیدا کرنا بولتے ہیں، یوں کہہ سکتے تھے،

ع نام پیدا کرو یورپ میں بڑھے شانِ وطن،

(۶۲) ص ۱۹۹

سن اے عزیزوں کے مخدوم و خادمِ احباب کہ زندگی کی طبیعت کا رازدان ہے تو
بہاریں جس سے ہوں پیدا وہ گلستاں تجھ کو ستارے جس میں ہوں روشن وہ آسمان ہے تو

یہ نظم بغیر مطلع کے ہے، دوسرے شعر میں "تجھ کو" کی جگہ "ہے تو" کا موقع تھا، لیکن ایسا کرنے سے یہ شعر مطلع بن جاتا، اور ایسی نظم میں جس کا پہلا شعر مطلع نہیں ہے کسی اور شعر کا مطلع بن جانا اصولِ شاعری کے خلاف ہے، شاید اسی وجہ سے شاعر کو مجبوری ہوئی، لیکن جمیل مظہری اس اصول کے پابند نہیں ہیں، چنانچہ نقش جمیل میں کئی جگہ اس اصول سے انحراف کا ثبوت موجود ہے، مثلاً ص ۴۴ پر دوسرا شعر، ص ۵۴ پر دوسرا شعر، اور ص ۵۵ پر تیسرا شعر،

(۶۳) ص ۲۰۰ ع :- کوئی طرز ہی سے سیکھے بہ سوزِ دل سے محفل افروزی

اس سے بہتر یوں ہوتا،

ع : کوئی طرزی کے سوزِ دل سے سیکھے محفل افروزی

کیونکہ ایک ہی مصرع مین دو جگہ لفظ "سے" اچھا نہین معلوم ہوتا ،

(۶۴) ص ۲۰۱ ع دلون کی اینٹ سے جس نے کیا تعمیر میخانہ

ص ۲۱۸ " دلون کی اینٹ سے منزر نیا بنا کے کیا

دونون جگہ "اینٹ" کی جگہ "اینٹین" بصیغہ جمع ہونا چاہئے ، کیونکہ ایک اینٹ سے کسی عمارت کی تعمیر نہین ہوسکتی ،

(۶۵) ص ۲۱۰ ع چلی آتی ہے عطر نو عروسی کی لپٹ "بھینی" صحیح محاورہ "بھینی بھینی" ہے ،

(۶۶) ص ۲۱۲ ع فلک کی مانگ مین بھرتی رہے سیندر شفق جب تک

صحیح لفظ سیندور ہے مرتب کا نوٹ ہے کہ چونکہ مخدرات کی زبان پر سیندر ہی ہے ، اس لئے مصنف نے اسی کو فصیح تر سمجھا ، یہ عذر صحیح نہین ، الفاظ مین تصرف جائز نہین ، اگر یہ نظم کسی عورت کی تصنیف ہوتی ، تو ممکن ہے سیندور کی بجائے سیندر کا استعمال حق بجانب ہوتا ، اس مصرع مین ترمیم آسانی سے ہوسکتی ہے ،

ع فلک کی مانگ مین سیندور بھرتی ہو شفق جب تک

(۶۷) ص ۲۱۴ اسی غم مین بتون کے کاکل بیچا پن ہین برہم سے

کاکل بالاتفاق مؤنث ہے ، ذوق : خطا بڑھا زلفین بڑھین کاکل بڑھی گیسو بڑھے ،

مؤنث لفظ کو خواہ مخواہ مذکر لکھنے کی وجہ سمجھ مین نہین آتی ، کاکل کی جگہ گیسو کہتے ،

(۶۸) ص ۲۱۶ : نثار ہوتے ہین شعلے یہ کس کی میت پر یہ کون ہوگیا قربان روح ملت پر

صحیح لفظ میت بیائے مکسور ہے اس لئے اس کا قافیہ ملت صحیح نہین ، ذوق امیر داغ یا کسی اور مستند شاعر نے میت کو تربت وغیرہ کا قافیہ نہین باندھا ہے .

(۶۹) ص ۲۲۰ ع بھر آئین اشک نہ کس طرح چشم بینا مین

"کس طرح" کا یہان پر صحیح موقع نہین ، کیون کا لفظ مناسب تھا ، یون کہتے ، ع

بھر آئین اشک نہ کیون اپنی چشم بینا مین

(۷۰) ص ۲۲۳ : سارے تعلقات سے منھ اپنا موڑ کے زندان سے باہر آگیا زنجیر توڑ کے

"باہر آگیا" کا موقع نہ تھا ، زندان سے مراد دنیا ہے ، اور دیوار سے پر ہیز جیسا کہ نوٹ مین مرتب نے اشارہ کیا ہے ، زندان سے باہر آگیا وہ شخص کہہ سکتا ہے جو خود زندان یعنی دنیا سے باہر ہے ، شاعر جب اسی دنیا مین ہے تو مرنے والے کے لئے "زندان سے تو نکل گیا" کہنا تھا ،

(۷۱) ص ۲۲۷ ع رشتہ دار خم گیسوے گرہ گیر بھی ہے ،

سہرے کو زلف کا رشتہ دار کہا ہے ، کیونکہ سہرا بھی پیچ در پیچ ہوتا ہے اور گیسو بھی لیکن سوال یہ ہے کہ اس مصرع مین "خم" کے لفظ نے کیا معنی پیدا کئے ، اس لفظ کے استعمال سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سہرا زلف کا نہین ، بلکہ زلف کے "خم" کا رشتہ دار ہے ، خم کا لفظ محض حشو ہے ،

(۷۲) ص ۲۳۳ ع آگاہ نہین خود بینی سے واقف نہین گھورا گھوری سے ،

"گھورا گھوری" عجیب ترکیب ہے ، میری نظر سے کسی اور کے کلام مین نہین گذری ،

(۷۳) ص ۲۳۳ ع کلیون سے تبسم سیکھتی ہے پھولون کو ہنسی سکھلاتی ہے ،

کلیون مین تبسم کہان جب تک وہ شگفتہ ہو کر پھول نہ ہوجائین ، یون کہتے تو بہتر تھا ،

ع پھولون سے تبسم سیکھتی ہے ، کلیون کو ہنسی سکھلاتی ہے ،

(۷۴) ص ۲۳۴ ع ولب پہ تبسم لہرایا اک موج اٹھی انگڑائی کی

"ولب" پہ مین تنافر ہے ، یون ہوسکتا تھا ، ع ہونٹون پہ تبسم لہرایا ، الخ

(۷۵) ص ۲۴۸ ع ننھا منھا دولھا دون ،

ننھا منا کی جگہ ننھا منھا ؟ ص ۲۵۶ پر بھی ایسا ہی ہے

(۷۶) ص ۲۵۳

یہ چھوٹے سے گلگو با بوجو گودمین مان کی سوتے ہین ، دو کام بس اُن کو آتا ہے یا سوتے ہین یا روتے ہین ،

چھوٹے سے " سے " ننھے سے " فصیح تر تھا، حضرت صغریٰ نے رخصت کے وقت حضرت علی اصغر کو گلے لگانے

کے لئے بلایا تھا، اس موقع پر مرزا دبیر کا مصرع یہ ہے ع

آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگا لون

اس کے برخلاف میر انیس کی زبان فصاحت بیان سے یہ خیال اس طرح ادا ہوا ہے ع

آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری

ذوق سلیم سمجھ سکتا ہے کہ دونون ٹکڑون مین چھوٹے مسافر اور ننھے سے مسافر، کون بہتر اور با محاورہ ہے، اس کے

علاوہ دو کام کے ساتھ "آتا ہے" کے بجائے "آتے ہین" ہونا چاہئے تھا، اردو مین ایک کے عدد کے بعد جمع استعمال کرنا چاہئے

(۷۸) ص ۲۵۳　　ع یا دل مین محبت بوتے ہین آنکھی سمتائی نظرون سے

محبت بوئی جاتی ہے یا محبت کا بیج بویا جاتا ہے؟ خود جمیل مظہری نے کسی موقع پر کہا ہے، ع

یہ دل مین بیج محبت کا بو نہین سکتی

(۷۸) ص ۲۵۴　　ہنس ہنس کر آنکھون آنکھون مین اان کی محبت ڈوتے ہین

جب دودھ نہین ملتا ہے انھین تو کوشش کرکے روتے ہین

ڈونا بہ معنی تلاش کرنا بالکل غیر فصیح ہے، کسی استاد نے شاید ہی اسے استعمال کیا ہو، دودھ پیتا بچہ کوشش

کرکے نہین روتا، رونا تو اس کی فطرت ہے،

(۷۹) ص ۲۵۵　　یہ شمع کو کمک تک تکتا ہے اور عشق کی دیوی ہنستی ہے،

شاعر کی نظر مین یہ خواہش بنیادِ حُسن پرستی ہے،

ہنستی اور حسن پرستی صحیح قافیے نہین، ہنستی کا قافیہ پھنستی، اور پرستی کا قافیہ بستی صحیح ہے،

(۸۰) ص ۲۵۵　　اور اس ننھی سی چنگاری مین تاثیر کی سوتی دنیا ہے

احساس کا برقی پیکر ہے جذبات کا خاکی پتلا ہے،

پہلا مصرع ناموزون ہے، "اور" کا لفظ مصرع کو ناموزون کر رہا ہے، غالباً کاتب نے غلطی سے یہ لفظ

بڑھا دیا ہے،

(۸۱) ص ۲۵۶　　ع امان کی نگاہین واری ہین پاپا کی دعائین قربان ہین

ماں کو اماں کہا تو باپ کو پاپا کہنے کی وجہ سمجھ مین نہین آتی، بابا کے مقابلہ مین ماما یا اماں کے مقابلے مین

ابا بہتر ہوتا، اماں اور پاپا کا امتزاج انیگلو انڈین زبان ہے،

(۸۲) ص ۲۴۲　　ع ین دون نہ اگر جنبش بازوے مشقت مین

"ین" کی جگہ "کو" زیادہ مناسب تھا،

(۸۳) ص ۲۸۳　　دیکھ اپنے بچون کا لشکر　　ٹھاٹھین لے جس طرح سمندر

"ٹھاٹھین لینا" یہ محاورہ مسموع نہین، موجین مارے جیسے سمندر" بہتر ہوتا،

شکست ناروا کی مثالین بھی جمیل مظہری کے کلام مین بکثرت ہین، اس عیب کی طرف بہت سے شعراء کی

نگاہ نہین جاتی، بعض بحرین ایسی ہین جن کے مصرعے مساوی ارکان مین منقسم ہوتے ہین، مثلاً

ع تری گلی مین، پہنچ گئے ہم، تو یاد رکھ، عمر بھر رہین گے (شاد)

لیکن اگر تقطیع مین کوئی لفظ دو ٹکڑون مین تقسیم ہو کر دو رکنون سے متعلق ہو جائین، تو یہ عیب ہے اور ترنم پر اس کا

برا اثر پڑتا ہے، مثلاً ذوق

ع سحر جو گھر میں بہ شکل آئینہ تھا مین بیٹھا نزار و حیران"، اس مصرع کی تقطیع یہ ہوگی،

سحر جو گھر مین (مفاعلاتن) بہ شکل آئی (مفاعلاتن) نہ تھا مین بیٹھا (مفاعلاتن) نزار و حیران (مفاعلاتن) اس

مصرع مین یہ لفظ آئینہ اس طرح واقعہ ہوا ہے کہ دو ٹکڑون مین تقسیم ہو گیا اور اس کا ایک جزو دوسرے رکن

سے وابستہ ہو گیا، اس عیب کو شکست ناروا کہتے ہین، جمیل مظہری کے بیسیون مصرعون مین یہ عیب موجود ہے، مثلاً

بہار مین راستے کی دیکھتے چلو چلے چلو　　پرے سو عرش سی تمہارا آشیان بڑھے چلو

مچل رہی تھی سحر کی دوشیزہ شب کے آغوش ناز میں — مصر رہی طبیعت اپنی تشنگی لئے ہوئے

دماغ تھک کے آستانۂ حرم پہ سوگیا — مگر حقیقتوں کا زندگی کی خون ہو گیا

طبیعت نیاز و ناز تشنہ کام رہ گئی — بگڑ کے شوق کا مزاج طاعت خدا ہوا

جمیل مظہری غالب، انیس، اقبال اور جوش سے بہت متاثر ہیں، ان حضرات کے کلام کے اثرات ان کے کلام میں نمایاں ہیں، انھوں نے کہیں کہیں دوسرے شعراء کے کلام سے استفادہ بھی کیا ہے، مثالوں سے یہ حقیقت عیاں ہوگی،

جمیل — ضمیر سنگ میں رقص بتان آذری دیکھا،

غالب — در دلِ سنگ بنگر رقص بتانِ آذری

جمیل — ہم تو خواہش کو سمجھتے ہیں مشیت اُس کی،

اقبال — خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے،

جمیل — سامنے خود آئینہ ہے محوِ خود آرائی میں — خود تماشا بھی ہیں اور خود ہی تماشائی ہیں

نجم تقوی — آئینہ ہے ہاتھوں میں ہیں محوِ خود آرائی — وہ آپ تماشا ہیں اور آپ تماشائی

عابد نقوی — آئینہ سامنے ہے محوِ خود آرائی ہے — خود تماشا بھی ہے اور خود ہی تماشائی ہے

جمیل — بیابان کی اندھیری شب میں جوگی کا دیا ہوتا،

اقبال — بیابان کی شب تاریک میں قندیلِ رہبانی

جمیل — پگھل جاتا ہے اکثر آبگینہ تندی مے سے،

غالب — آبگینہ تندیِ صہبا سے پگھلا جائے ہے،

جمیل — میرے شانے پہ تری زلف کا بکھرا ہونا،

غالب — تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشان ہوگئیں،

جمیل — وہ ترے حُسن کی بے باکیٔ نازِ ادا — وہ مرے عشق کا نادان تمنا ہونا

" — عشق کو میرے نہ آئے تھے جنون کے انداز — حسن نے تیرے نہ سیکھا تھا خود آرا ہونا

حسرت — یاد کر وہ دن کہ تیرا کوئی سودائی نہ تھا — باوجودِ حُسن تو آگاہِ رسوائی نہ تھا

" — دید کے قابل تھی میرے عشق کی بھی سادگی — جب کہ تیرا حُسن سرگرمِ خود آرائی نہ تھا

" — حُسن سے اپنے وہ غافل تھا میں اپنے عشق سے — اب کہاں سے لاؤں وہ ناواقفیت کے مزے

جمیل — چھیڑ دے پھر سازِ ملت ناخنِ مضراب سے — خواب میں جاگے ہیں جو اُن کو جگا دے خواب سے

اقبال — غم جوانی کو جگا دیتا ہے لطفِ خواب سے — ساز یہ بیدار ہوتا ہے اسی مضراب سے

جمیل — پھول بے پروا نہیں ہیں تو نوا پیرا تو ہو — کاروان جاگے گا آوازِ درا پیدا تو ہو

اقبال — پھول بے پروا ہیں تو گرم نوا ہو یا نہ ہو — کاروان بے حس ہے آوازِ درا ہو یا نہ ہو

جمیل — تجھ سے جمعیتِ خاطر ہے پریشانی میں — لاکھ سامان ہے تو بے سروسامانی میں

اقبال — لاکھ سامان ہے اک بے سروسامان ہونا — مجھ کو جمعیتِ خاطر ہے پریشان ہونا

جمیل — ہیں آشنا بتمنائے آشنا دیکھیں (نظیری) کہ آشنا بتمنائے آشنا خفتہ است

جمیل — اے خوشا روز کہ آئی دسر افزائی — بصداعزاز سوے محفلِ ما باز آئی

نامعلوم — اے خوشا روز کہ آئی و بصد نازآئی — بے حجابانہ سوے محفلِ ما باز آئی

ان مثالوں سے محض استفادہ یا غایت سے غایت توارد ثابت ہوتا ہے، اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں، اس سے کوئی شاعر نہیں بچ سکتا انتہا یہ ہے کہ حافظ، غالب اور انیس جیسے قادر الکلام شعراء بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، اب رہ گئیں ادبی لغزشیں، سو اوّلاً تو اُن کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے، دوسرے کوئی شاعر اُن سے بچ نہیں سکتا، بہرحال نقش جمیل کی اشاعت ادبیاتِ بہار میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے، اور مجھے یقین ہے کہ شائقین شعر و ادب ذوق و شوق سے اس کا مطالعہ کریں گے اور لذت اندوز ہوں گے،

آثار علمیہ و ادبیہ

مکاتیب مولانا ابوالکلام آزاد

بنام

مولانا سید سلیمان ندوی

"دارالمصنفین! حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کے ساتھ مولانا ابوالکلام مدظلہ کے تعلقات بہت دیرینہ اور گوناگون حیثیتین رکھتے ہین، مولانا سید سلیمان ندوی مولانا شبلی مرحوم کے شاگرد خاص اور مولانا ابوالکلام اُن کے فیض یافتہ ہین، اس رشتہ سے دونون خواجہ تاش ہین، دونون کا ایک عرصہ تک دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ، الہلال کلکتہ، اور قومی کامون مین ساتھ رہ چکا ہے، دونون کی علمی حیثیت مین بھی بڑی حد تک اشتراک ہے، ان تعلقات و روابط کی بنا پر دونون مین مراسلت کا سلسلہ جاری رہتا تھا،

مولانا ابوالکلام کے ان خطوط کا بڑا ذخیرہ دارالمصنفین مین محفوظ ہے، یہ خطوط علمی و ادبی و تاریخی حیثیت سے نہایت اہم ہین، اس لئے ان کو انشاءاللہ معارف مین مسلسل شائع کیا جائیگا، دارالمصنفین مولانا شبلی کی یادگار ہے، اس لئے مولانا ابوالکلام کو شروع سے اس سے دلچسپی تھی، بلکہ اس کے قیام مین بھی اُنکا مشورہ شریک تھا، اور وہ وقتاً فوقتاً مفید مشورے دیتے رہتے تھے، اس لئے پہلے ان خطوط کو شائع کیا جائیگا جن سے دارالمصنفین کے ساتھ مولانا کے تعلق پر روشنی پڑتی ہے، ان مین بہت سے خطوط مین تاریخ تحریر نہین ہے ایسے خطوط کا زمانہ اندازہ سے متعین کیا گیا ہے،

"م"

(۱)

Alhilal office
Mcleod Street,
Calcutta　　۲۷ جنوری ۱۹۱۵ء

عجبت لمن یقول ذکرت الفی
وھل انسی فاذکر من ھویت

صدیقی العزیز الاجل　　کل صبح سفر سے واپس آیا اور خط پڑھا، یہ آپنے پہلے شکایت اس لئے تو نہین کردی، تاکہ میرے لئے شکایت کا موقع نہ رہے؟

بینی وبینک فی المحبۃ نسبۃ　　مستورۃ من اھل ھذا العالم
نحن اللذان تفارقت ارواحنا　　من قبل خلق اللہ طینۃ آدم

خط سے غالباً مقصود وہ خط ہوگا جو آپ نے بھوپال سے لکھا تھا، اس کے جواب مین ایک نہایت مفصل خط جس مین متعدد ضروری امور تھے اعظم گڈھ کے پتہ سے لکھا، اور آج تک اس کے جواب کے لئے ترستا ہون، آپ نے خط لکھا تو جواب کی جگہ الٹی شکایتین ہین،

بہرحال مجھے ہر حال مین اپنا رفیق و ھمعنان یقین کیجئے، اور ھر دم خدمت گذاری کے لئے طیار، افسوس ہے کہ ملاقات کی صورت پیدا نہین ہوتی، کاش اللہ یک جائی کا سامان کرتا، تو ہمتین مجتمع ہوتین، اور تفرق و عدم توحد نے ان نتائج سے بھی محروم کر دیا ہے جو باین ہمہ بے سروسامانی حاصل ہو سکتے تھے، دارالمصنفین نہایت آسانی کے ساتھ ایک وسیع النتائج چیز بن سکتا ہے، اور ندوہ کا حقیقی بدل بل نعم البدل اصلی کام وہی ہے، باقی سب کے سب فروعی ہین، آپ کی زندگی کا اصل مقصد یہ ہونا چاہئے کہ آدمی پیدا ہون،

اس لئے مین نے لکھا تھا کہ ایک اچھے موقعہ کو ضائع کیا گیا، اور بیگم صاحب[1] کے سامنے وسعت و اہمیت کے ساتھ اس چیز کو پیش نہین کیا گیا، مین نے باوجود سخت موانع کے ارادہ کیا تھا کہ صرف اسی کی خاطر خود ملون

[1] نواب سلطان جہان بیگم والیۂ بھوپال،

اور لکھون،

اس کا مرکز قطعاً لکھنو ہونا چاہئے یا اعظم گڈھ ہو، مگر ایک وسیع شاخ لکھنؤ مین ہو،

مین نے طریق عمل و اصول کار کو اسی زمانے مین بصورت اسکیم قلمبند کر لیا تھا اور وہ موجود ہے،

مین آواخر جنوری مین پھر نکلون گا، اور کوشش کرون گا کہ فاتحہ کے لئے اعظم گڈھ حاضر ہون بصورت دیگر آپ کو اطلاع دون گا کہ نسبتہً کسی قریب تر مقام پر ملاقات ہو سکے، مولانا عبدالسلام امید ہے کہ بخیر ہون گے،

سلام شوق

ابوالکلام

خط لکھ کر جب پتہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ اعظم گڈھ مین نہیں بلکہ پونا مین ہین، اب سمجھ مین نہین آتا کہ ملاقات کیونکر ہو، بہر حال آپ جلد یکسوئی اختیار کر لین، یہ بہتر ہے ایک ملاقات آپ سے بہت ضروری ہے کوئی طریقہ تبلائیے،

(۲)

۴۵ ۔ رپن لین ۔ کلکتہ

صدیقی الاعز

السّلام علیکم :- شرمندہ ہون کہ اتنے عرصہ کے بعد آپ کے کارڈ کا جواب دیتا ہون مین یہان نہ تھا، ذیابطیس کی شکایت نے بالکل مجبور کر دیا ہے،

مولانا شبلی مرحوم و مغفور کے مکاتیب مشکل ہے کہ اب مل سکین، افسوس ہے کہ جمع کرنے کا التزام نہین رہا، کچھ ملے تو پرائیوٹ معاملات یا ندوہ کے متعلق ہین، اور اُن کی اشاعت غیر ضروری،

دار المصنفین کے قواعد اعظم گڈھ سے آئے ہین، سوائے چند دفعات کے سب بہتر و انسب ہین، اب آپ جلد جلد حسب دلخواہ کرالین اور عملی کام کی صورت نکالین، ایک دو آدمی بھی ہون تو کام شروع کرنا چاہئے، یہ ایسا معاملہ تھا کہ اس کے متعلق بالمشافہ صحبتین ضروری تھین،

ادھر فرصت مین آپ سن کر خوش ہون گے کہ ترجمان القرآن اور تفسیر کا بہت سا حصہ ہو گیا، نیز شاہ ولی اللہ مرحوم کی سوانح کے کاغذات نکال کر مرتب کر لئے، ترجمہ چھپ رہا ہے، اور ترجمہ کا ایک مختصر مقدمہ لکھ رہا ہون جو گویا مقدمۂ تفسیر ہو گا، اور اصولاً بہت سی نئی باتون پر مشتمل،

ندوہ کی نائب نظامت پر مولوی شروانی کے ذریعہ مین نے کئی آدمیون کو استوار کیا تھا، پھر معلوم نہین ہوا کہ ندوہ کا کیا حال ہے، اور آپ کا کیا منشا ہے، مولوی شروانی نے لکھا تھا کہ وہ دار المصنفین مین ہین مین نے لکھا کہ دار المصنفین اس کے لئے مانع نہیں،

مجھے خوف ہے کہ آپ پونہ مین نہین بلکہ وطن مین ہون گے، لفافہ ابھی لکھا نہین جی چاہتا ہے کہ دسنہ کے پتہ سے بھیجون،

ابوالکلام کان اللہ لہٗ

(۳)

مکرمی ! السّلام علیکم :-

دار المصنفین کا پراسپکٹس پہنچا، آپ مجھے اس سلسلہ میں جو کچھ بنانا چاہین، منظور ہے، آنریری فیلو تو ایک عمدہ بات ہے، اگر اس مین کوئی جگہ قُلیؔ کی ہو جب بھی مین منظور کر لون گا، بشرطیکہ کام ہو، اور مجمع صحیح و خالص[^1]

"ابوالکلام"

مولوی عبدالسلام کہان ہین ؟ اُن سے کہئے کہ خط لکھیں،

(۴)

۶ ۸ ۶

صدیقی الجلیل الاعز السّلامُ علیکمُ و رحمۃ اللہ و برکاتہ :-

والا نامۂ گرامی پہنچا، مجھے تو خوف تھا کہ کہین آپ پونا سے روانہ نہ ہو گئے ہون،

امثال القرآن کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے، بالکل درست ہے، یعنی حالات وقت نزول و

[^1]: معارف: یہ خط مولانا کی عظمت اور علم دوستی کی بہت بڑی دلیل ہے اس لئے اس کو بجنسہ شائع کر دیا گیا،

طرق تمثیل و بیانِ عرب جاہلیہ، یہ دو چیزیں نہ صرف امثال القرآن بلکہ تمام قرآن کے فہم و درس کے لئے بمنزلہ اساس و اصل کے ہیں اور امثال و اقسام و انواع بیان و تخاطب و تذکیر کے لئے تو اولین نظر انہی پر ہونی چاہئے،

عرصہ کے بعد مولوی عبدالباری کا تذکرہ سننے میں آیا، وہ کشمیر میں تھے، اور انگریزی کی فکر میں، معلوم نہیں اس کی تکمیل کا انھیں موقع کہاں تک ملا،

دار المصنفین کے دائرہ کو جس قدر تنگ رکھئے گا، اسی قدر وہ حقیقی اور علمی ہوگا، دو چار آدمی اچھے کام کر سکتے ہیں لیکن مجمع جہلا بیکار ہے، بڑی چیز یہ ہے کہ آیندہ ایسے نمونے قائم کئے جائیں جن میں حقیقت ہو، اور رسم پرستی و رسم سے احتراز کیا جائے، آپ دار المصنفین کو اس کا پہلا نمونہ بنائیے، مولانا عبد السلام کو شوقِ سلام،

فقیر ابو الکلام کان اللہ لہ،

(۵)

صدیقی العزیز، السلام علیکم:-

معافی خواہ ہوں جواب میں بہت تاخیر ہوئی لیکن بلا عذر نہ تھی، مولوی مسعود علی صاحب نے ازراہِ عنایت سیرۃ وغیرہ بھیجدیں، جس کے لئے شکر گزار ہوں، دار المصنفین سے تحائف تو ہمیشہ پہنچتے ہیں لیکن کبھی کوئی بل نہیں آیا، آخر آپ نے کوئی سالانہ یا ماہوار فیس تو رکھی ہوگی،

جلسہ کے موقعہ پر ملاقات کی امید تھی، مگر پوری نہ ہوئی تمر بہ الایام وھی کما ھیا آپ کے ہموم و غموم کا حال پڑھ کر بہت افسوس ہوا، مجھے یہ تفصیل معلوم نہ تھی لیکن آپ کی شاعرانہ مایوسیوں سے متفق نہیں ہوں، اوائل حوادث میں ایسے ہی احساسات ہوتے ہیں، لیکن فان ما تحزن دین تن وقع کے بعد خود بخود طبیعت سکون پذیر ہو جاتی ہے، آپ نے لکھا کہ معنوی زندگی کا خاتمہ ہو گیا، مگر بقول آپ کے معنوی زندگی کے لئے مادی سروسامان و محرکات ناگزیر ہیں، اور نیز بقول آپ کے چاک دامنی کے لئے ایام گل کا انتظار تو بتدریج خود ہی طبیعت اس کا انتظام کرے گی، آپ گھبرائیں نہیں ....

....

..........."

آپ نے لکھا ہے کہ ہنگامہ آرائیوں کی شرکت چھوڑ دی، سچ یہ ہے کہ اس کے سوا چارہ نہیں، اس وقت مزاج وقت مبتلائے بحران ہے، ترک علاج ہی شاید علاج ہو، آپ کا عمل ابو ثعلبہ والی وصیت پر ہے حتی اذا رأیتم شحا مطاعا و ھوی متبعا و اعجاب کل ذی رای برایہ فعلیک بنفسک ودع عنک امر العوام، اعجاب کل ذی رای برایہ کا فتنہ موجودہ فتنہ سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے، پہلے فتنۂ استبداد تھا، اب فتنۂ حریت ہے، علم اخلاق مذہب تقوی طہارۃ نفس، کوئی شے بھی زمانے کو مطلوب نہیں، صرف چند الفاظ مجہولہ کی ضرورت ہے، جو شخص ان لفظوں کو بلند آہنگی سے بولدے، وہ امام العصر ہے، مقاماتِ مقدسہ، نظربندانِ اسلام، قربانی کا وقت آگیا، صرف ان لفظوں کی بغیر فرج معانی پرستش ہو رہی ہے، شاید ایسا ہونا بھی ضروری تھا، اس لئے زیادہ شکایت بھی نہیں کرنی چاہئے،

افسوس و تعجب ہے کہ محی الملۃ وغیرہ خطاب کے قصہ میں آپ نے بھی شرکت کی، اندرونی مصالح کا حال مجھ کو نہیں معلوم، بااین ہمہ اگر کوئی بات مفید مصالح ہو، تو اس کو بعنوانِ مناسب معتدل بھی طے کیا جا سکتا ہے، یہ کیا ضرور ہے کہ شیطان اور فرشتہ کے درمیان اور کوئی متوسط درجہ نہ ہو،

معارف کے متعلق یہ آپ کیا کہتے ہیں صرف یہی تو ایک پرچہ ہے اور تو سر طرف سناٹا ہے، بحمد اللہ کہ مولانا شبلی مرحوم کی تمنائیں رائگان نہ گئیں، اور صرف آپ کی بدولت ایک ایسی جگہ بن گئی جو صرف خدمتِ علم و تصنیف و تالیف کے لئے وقف ہے،

آپ نے تاریخ وفات کی نسبت لکھا ہے، سچ یہ ہے کہ اس کا کوئی صاف حل نہیں، ربیع کی کوئی بھی تاریخ قرار دیجئے حجۃ الوداع سے حساب ٹھیک نہیں بیٹھتا، الا یہ کہ اس سال کے لگاتار تینوں مہینے ۳۰، ۳۰ یا ۲۹، ۲۹ کے مانے جائیں، اس صورت میں ۶ اور ۱۳ کو دوشنبہ پڑتا ہے، غالباً واقعۂ وفات بارھویں گذر کر رات کو علی الصباح

ہوا ہے، دوسرا دن ۱۳ دین کا تھا، اور لوگون نے بارہوین سے بھی تعبیر کردیا،

فقیر ابو الکلام

(۶)

صدیقی العزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے دلچسپ خط نے پوری ملاقات کا لطف دیا، آپ کو اس قدر جلد اعظم گڈھ کے گوشۂ عافیت سے برداشتہ خاطر نہین ہونا چاہئے ساری باتین ایک جگہ اکٹھی نہین ہوسکتین، جہان دلچسپیون کی شورش ہے وہان امن وجمعیت خاطر کہان، اسباب خواہ کچھ ہون، مگر محی الملۃ خطاب والا معاملہ بہت ہی برا ہوا، باقی الناظر کا شور و شغب تو اس مین بھی وہی غلو تھا جو تجویز خطاب کی تحریرات مین، اس کارروائی سے بجز چند اشخاص کے ذاتی فوائد یا چند انجمنون کے وظائف کے اور کوئی نتیجہ نہین لیکن یہ بات بعنوان مناسب بھی حاصل ہوسکتی تھی، انصاف کیجئے یہ کیسی بدعت ہو کہ جہان کسی والی ریاست نے چند علما، یا چند انجمنون کو روپیہ دیدیا یا حکم دیدیا کہ پرانے قرآن جمع کرلو، محی الملۃ والدین ہوگیا؟ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کو صدر الصدور کردینا بہت عمدہ بات ہو مگر احیائے ملۃ و دین نہین ہے، مقصود اگر یہ تھا کہ امرا سے کام نکالا جائے اور جرأت وہمت افزائی کیجائے تو اور بہت سے نسبتۃً کم ناموزون القاب ہوسکتے تھے، اتنے بڑے لفظ کو خراب کرنا، اور وہ بھی مجمع علما، کا بہت ہی افسوسناک ہے فرض کیجئے اب حضور نظام واقعی کوئی کام احیاء ملۃ کا کرین یا کوئی اور رئیس کرے تو اس کے لئے اب کون خطاب باقی رہیگا، نصیر الملۃ پھر غنیمت تھا، لیکن مخالفت کی گئی، اور کہا گیا کہ نہین وہی وکیل والی بات ہونی چاہئے، خراب دیکھئے خود ندوہ کو بھی کچھ حصہ ملتا ہے یا نہین، فرنگی محل اور دیوبند کی شرکت کا آپ نے ذکر کیا ہے لیکن یہ تو کچھ تعجب انگیز نہین، دونون جگہون کو وظائف مل رہے ہین، اگر یہ سچ ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب نے اس کی مخالفت کی تھی تو ان کی بہت تعریف کرنی چاہئے بلاشبہۃ کارروائی شرعًا جائز نہ تھی: اذا رأیتم المداحین فاحثوا فی

ف یہ خط جابجا سے کرم خوردہ ہوگیا ہے، اس لئے بعض الفاظ پڑھے نہ جاسکے،

وجوھھم التراب کا معاملہ بہت سخت ہو، اور غالبًا بخاری مین ہے من کان منکم مادحا لا محالۃ فلیقل احسب فلانًا واللہ حسیبہ ان کان یری انہ کذلک ولا یزکی علی اللہ احدًا اور یہان تولا محالہ کی بھی گنجایش نہین ...... فقہا نے تو خطبہ مین بھی بجز دعائے خیر کے اسلطان وقت کے لئے اور تمام باتون سے روکا ہو وانا مدح الفاسق، غضب اللہ تعالی واھتزلہ العرش

آپ نے ارض القرآن مین صابئین کی نسبت الرد علی المنطقیین ابن تیمیہ کی عبارت نقل کی ہے، اس کے متعلق مطلع فرمایئے کہ یہ عبارت آپ نے کتاب کے کس صفحہ سے نقل کی ہے؟ یعنی وہ کتاب آپ کے پاس موجود ہے؟ تفسیر فتح البیان مین نواب صاحب نے ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والصابئین الخ کی تفسیر مین یہ پوری عبارت نقل کی ہے، اور بعض اور کتابون مین بھی ہے، اگر آپ کے پاس کتاب مذکور موجود ہے، تو مین خواستگار ہون کہ ایک ہفتہ کے لئے مجھے عنایت کیجئے، بحفاظت واپس کردون گا، سید علی بلگرامی کا نسخہ مولانا شبلی مرحوم کے پاس تھا، دوسرا نسخہ حکیم نور الدین صاحب قادیان کا تھا، جو دیوبند آیا، مولانا عبید اللہ صاحب کے پاس رہا، پھر غائب ہوگیا، ممکن ہے کہ مولانا مرحوم والا نسخہ اعظم گڈھ مین ہو، بہرحال مجھ کو اس کی سخت ضرورت ہے، اور ایک کام اس کی وجہ سے ناتمام رہ گیا ہے، امید ہے کہ بصورت موجودگی آپ کو ترسیل مین کوئی عذر نہ ہوگا، موجب کمال امتنان و تشکر ہوگا، صرف ایک ہفتہ، بلکہ اس سے بھی کم کے لئے مطلوب ہو،

آپ نے دار المصنفین کی موجودہ مالی حیثیت کا ذکر کیا، نہایت درجہ خوشی ہوئی، یہ سب آپ کے قیام وسعی کا نتیجہ ہے، بحمد اللہ کہ مولانا شبلی مرحوم کے آخر حیات کی امیدین بارآور ہوئین، لیکن یہ بڑی مصیبت ہو کہ آپ وہان کے قیام سے اکتا گئے ہین، اگر آپ نے وہان رہنا چھوڑ دیا، تو پھر سارا کارخانہ درہم برہم ہوجائےگا کوئی ایسا انتظام کیجئے کہ "سہ ماہ می خور و نہ ماہ پارسا می باش" کی اسکیم پر عمل درآمد ہوسکے، مستقل قیام وہان رکھئے، عارضی ہر جگہ،

ابو الکلام کان اللہ لہ

ادبیات

غزل

ازجناب شفیق جونپوری

جب تک جنون پہ عقل کو قربان کر سکے
ہم زندگی مین کار نمایان نہ کر سکے

کتنے ہو لوگ قدر بہاران کر سکے
تم بھی تو انتظام گلستان نہ کر سکے

دنیائے نو کے عہدِ ترقی پہ آفرین
انسان جہان تصور انسان نہ کر سکے

سو بار منتخب ہوئے وہ صدرِ انجمن
مشکل کسی کی ایک بھی آسان نہ کر سکے

پھولون سے تھی امید نگہبانیِ بہار
یہ تو چمن کا راز بھی پنہان نہ کر سکے

واحسرتا کہ صبحِ وطن کے فریب مین
ہم احترام شام غریبان نہ کر سکے

آزاد کس کو کہئے سمجھئے کسے اسیر
لوگ آج تک وضاحتِ زندان نہ کر سکے

باغی بھی دے سکے نہ مساوات کو فروغ
اتنا بھی تو یہ دشمنِ ایمان نہ کر سکے

سرتا قدم ہین پیکر تقویٰ جناب شیخ
لیکن نگاہ و دل کو مسلمان نہ کر سکے

مومن وہی کہ لب پہ تبسم ہو زیرِ تیغ
موت آئے سامنے تو ہراسان نہ کر سکے

وہ وقت ہے بشر کی شکستِ حیات کا
جب اعتماد و قوتِ ایمان نہ کر سکے

جس نے بنا دیا ہو زمانے کو جامہ زیب
وہ آج احتیاط گریبان نہ کر سکے

بس اس قدر ہوا کہ بغاوت کی دھوم ہے
تم بھی کسی غریب کا درمان نہ کر سکے

دیتے ہین درس ہمتِ پروانہ کیا شفیق
آتشکدے کو آپ گلستان نہ کر سکے

مطبوعاتِ جدیدہ

حکمۃ الرحمٰن فی آیات القرآن — ازجناب عرفانی الکبیر تقطیع بڑی ضخامت ۱۱۶ صفحات کاغذ، کتابت وطباعت معمولی قیمت ہے، پتہ:- عرفانی الکبیر الہ دین بلڈنگ سکندرآباد حیدرآباد دکن (۲) دفتر الحکیم عیدگاہ روڈ کراچی،

کائنات کی وسعت وعظمت، اس کا بے نظیر نظام اور اس کے عجائبات، عالم وجاہل دونون کے لئے یکسان درس بصیرت رکھتے ہین، اگر ایک عامی وجاہل کارخانہ عالم کے پرجلال مظاہر کو دیکھ کر خدا کی عظمت کے سامنے سر بسجود ہو جاتا ہے، تو ایک عالم وحکیم اس کے بے مثل نظام اس کی حکمتون اور بارکیون پر نظر کرکے ربنا ما خلقت ھذا باطلاً پکار اٹھتا ہے، اس لئے قرآن مجید نے اپنے دلائل کی بنیاد عجائبات عالم پر رکھی ہے، اور توحید کے اثبات شرک کی تردید، خدا کی عظمت وقدرت، حیات بعد الموت، حشر ونشر جنت ودوزخ کے ثبوت مین انسان کی پیدائش کی کیفیت، اس کی نشو ونما کمال وزوال اور موت، زمین وآسمان کی تخلیق، ان کی وسعت زمین کا پھیلاؤ، پہاڑون کی رفعت، سمندرون کی پہنائی، ان مین جہازون کی روانی، کواکب کے نظام، آفتاب ماہتاب کی گردش ان کے اثرات وفوائد رات دن کا الٹ پھیر ہواؤن کا چلنا، بارش کا نزول، بادل کی گرج بجلی کی چمک زمین کی روئیدگی، اور اسی قبیل کے دوسرے عجائبات اور کون وفساد کے مظاہر کو پیش کیا ہے اور انکو آیات اللہ سے تعبیر کیا ہے لائق مصنف نے ان آیات اللہ کی آیتون کو جمع کرکے انکی حکمتون کی تشریح اور ان کے آیات اللہ ہونے کی حیثیت واضح کی ہے، یہ مصنف کی نئی کوشش نہین ہے، اس قسم کی تشریحات قدیم تفسیرون مین بھی ملتی ہین، مصنف نے ان کو جدید مذاق کے مطابق اردو مین پیش کر دیا ہے، البتہ کہین کہین جدید علوم واکتشافات کی روشنی مین بعض نئی باتین بھی لکھی ہین انداز بیان

موثر و دلنشین ہی، مصنف قادیانی ہین، مگر اس کتاب مین قادیانیت کا کوئی اثر نہین ہے، اور وہ عام مسلمانون کے مطالعہ کے لائق ہی،

صفوۃ الصفوۃ مؤلفہ جناب محمد اسمٰعیل صاحب شطاری میرٹھی، تقطیع بڑی ضخامت ۵۱۲ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت معمولی، قیمت آٹھ روپیے، پتہ: مصنف بازار نبازہ، متصل چھتہ انترام میرٹھ سے ملے گی،

جاہل صوفیون اور پیشہ ور پیرون اور فقیرون نے تصوف کے نام سے جس قدر گمراہیان پھیلائی ہین، اور ان سے اسلام کو جو نقصان پہنچا ہے، اتنا اور کسی چیز سے نہین پہنچا، مصنف کتاب بھی موروثی طور پر اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہین، مگر اُن کی فطرتِ سلیم اور توفیق الہٰی اُن کے شاملِ حال تھی، اس لئے شروع سے ان کا دامن ان خرافات سے محفوظ رہا، اور ان کی اصلاح کے لئے انھون نے مذکورۂ بالا کتاب لکھی ہے، یہ کوئی تصوف کی کتاب نہین ہی، اور نہ اس مین اس قسم کے مسائل پر بحث کی گئی ہے، بلکہ صحابہؓ تابعین، علماء و ائمہ اور مشائخ و صوفیہ مختلف طبقون کے صلحاء و اخیار کا تذکرہ اور ان کی زندگی سے تصوف کے عملی نمونے دکھانے کی کوشش کی گئی ہے، کتاب کے شروع مین اور کہین کہین درمیان مین بھی جاہل پیرون اور فقیرون کے بعض گمراہ کن عقائد و خیالات اور اُن کے رسوم کی تردید کی گئی ہے، کتاب کے آخر مین صالحہ عورتون کا بھی مختصر تذکرہ ہے، اس طرح اس کتاب کو اردو مین ابن جوزی کی صفوۃ الصفوۃ اور شعرانی کی طبقاتِ کبریٰ سمجھنا چاہئے، مگر کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے، کہ مصنف کا مطالعہ بہت محدود ہی، اور انکو لکھنے کی بھی مشق نہین ہے، اس لئے مواد خصوصًا تحریر کی بڑی خامیان ہین، مگر ان خامیون کے باوجود کتاب عام اردو خوانون کے مطالعہ کے لائق ہے، اور اس سے اردو مین ایک مفید تذکرۂ صوفیہ کا اضافہ ہوا،

جواہرِ رسالت مرتبہ جناب ابوتمکین افتخار احمد صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۸ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت تحریر نہین، پتہ ۵۱/۴ بہار کالونی کلیس روڈ کراچی نمبر ۵،

احادیثِ نبوی کا بڑا حصہ درحقیقت قرآن مجید کے کلّی احکام سے مستنبط ہے، اور اس مین اس کے متن کی شرح اور اس کے اجمال کی تفصیل ہی، اگر اس نقطۂ نظر سے حدیثون کا مطالعہ کیا جائے، تو ان سب کی اصل قرآن مجید مین مل جائے گی، لائق مصنف نے اسی نقطۂ نظر سے اخلاق و معاملات سے متعلق احادیث کا یہ مختصر مجموعہ مرتب کیا ہے، اس مین مختلف عنوانون کے ماتحت احکام قرآنی لکھے ہین اور اُن سے متعلق تشریحی احادیث مع ترجمہ نقل کی گئی ہین، اور کہین کہین ان احکام و تعلیمات کے حکم و مصالح کی تشریح بھی کر دی گئی ہے، اس موضوع پر اردو مین ایک مفصل اور مبسوط کتاب کی ضرورت ہے، جس مین اس قسم کی تمام احادیث کا استقصا کیا گیا ہو، اگر کوئی صاحبِ علم ہمت کرکے یہ کام کر ڈالین، تو یہ حدیث کی بڑی خدمت ہوگی اور منکرین حدیث کا بھی نہایت معقول جواب ہوگا،

فطری علاج مؤلفہ جناب حسن الدین احمد صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۲۲ صفحات، کاغذ، کتابت وطباعت معمولی، قیمت: ۔عہ/ پتہ: ۔ عزیز باغ سلطان پورہ حیدرآباد دکن،

بیماریون کے فطری علاج کا طریقہ بہت پرانا ہے، طب جدید کی ترقیون نے اس کو بھلا دیا تھا، مگر جب سے یورپ کے بعض ماہرین نے اس کی جانب توجہ کی ہے، اور بحیثیت فن اس کو مدوّن کرکے اس پر کتابین لکھین، اس وقت سے پھر اسکی جانب توجہ ہونے لگی ہے، اردو مین اس موضوع پر بہت کم معلومات ہین، اس لئے مصنف نے فطری طریقہ علاج پر یہ کتاب لکھی ہی، اس مین علمی و عملی دونون پہلوؤن سے تفصیل کے ساتھ اس کے اصول اور طریقون پر روشنی ڈالی گئی ہے، جن لوگون کو اس طریقۂ علاج سے دلچسپی ہو، ان کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے،

چنگ و آہنگ از جناب عرش ملسیانی تقطیع اوسط ضخامت ۲۴۰ صفحات، کاغذ، کتابت، طباعت بہتر، قیمت مجلّد سے ریتہ: مرکز تالیف و تصنیف نکودر ضلع جالندھر،

یہ کتاب جناب عرش ملسیانی کے کلام کا مجموعہ ہے، وہ مشہور شاعر جناب جوش ملسیانی کے فرزند ارجمند ہین، اس لئے شاعری کا ذوق گویا ان کو ورثہ مین ملا ہے، جس کو ذاتی مشق و ممارست سے انھون نے اور چمکایا ہے، اُن کی مشق سخن پر ایک مدت گذر چکی ہے، اور اپنے معاصرین مین انھون نے ممتاز جگہ حاصل

کرلی ہو اُن کو تمام مروجہ اصناف پر پوری قدرت ہے چنانچہ اس مجموعے مین ہر رنگ کے نمونے موجود ہین، ان کی شاعری کا نشو و نما ہندوستان کی سیاسی کشمکش کے دور مین ہوا ہے، اس لئے اس کے اثرات اُن کے کلام مین جابجا موجود ہین خصوصاً نظمون مین یہ رنگ زیادہ نمایان ہو، اور غزلون مین بھی جا بجا اس کی جھلک اور سیاسیات کی جانب لطیف اشارات ہین، غزل کا رنگ ستھرا اور پاکیزہ ہے، نظمین مختلف حالات، و واقعات اور جذبات و احساسات پر مشتمل ہین، سیاسی نظمین زیادہ مؤثر ہین، خصوصاً فرقہ پرستی اور اُس کے اثرات و نتائج سے متعلق بعض نظمین بہت خوب ہین، اس لحاظ سے یہ مجموعہ اصحابِ ذوق کے مطالعہ کے لائق ہو،

رہبر، از جناب مولوی حبیب حسن صاحب صدیقی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۲ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۸؎ پتہ مصنف رودولی ضلع بارہ بنکی سے ملے گی،

یہ رسالہ بچون کی مذہبی و اخلاقی تربیت و تعلیم کے لئے لکھا گیا ہے، اور اس مین اخلاقی تعلیم اور زندگی کے مختلف شعبون کی اصلاح کے لئے ۶۵، ایسے اخلاقی اور سبق آموز اصول و تعلیمات ۷۵، آیاتِ قرآنی اور ۵۰ حضرت علی کے حکیمانہ اقوال جمع و مرتب کئے گئے ہین، جو دین و دنیا دونون مین سعادت و کامرانی کا ذریعہ بن سکتے ہین، انداز تحریر مؤثر ہو، یہ رسالہ نہ صرف بچون بلکہ عام خواندہ لوگون کے لئے بھی مفید ہو،

رسول مقبول از جناب مظفر جلیبری، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۰ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲؎ پتہ:۔ سنگم کتاب گھر اردو بازار جامع مسجد دہلی، (۲) یونین بک ڈپو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ،

یہ مصنف کی نعتون کا مجموعہ ہو، چند نظمین صحابۂ کرام اور اولیائے عظام کی شان مین بھی ہین، مصنف اچھے نعت گو ہین، انکی نعت اور منقبت دونون موثر و دلکش اور مصنف کے کوائف باطنی کی آئینہ دار ہین،

"م"

جلد ۷۲ ماہ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۵۳ء عدد ۵

مضامین

مقالات

آثار علمیہ و ادبیہ

ادبیات